زہراء (س) اکادمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر الخمسہ

حمد اور چار قل

تصنیف

حجۃ الاسلام والمسلمین سید محمد نقوی النجفی
حجۃ الاسلام والمسلمین سید علی نقوی
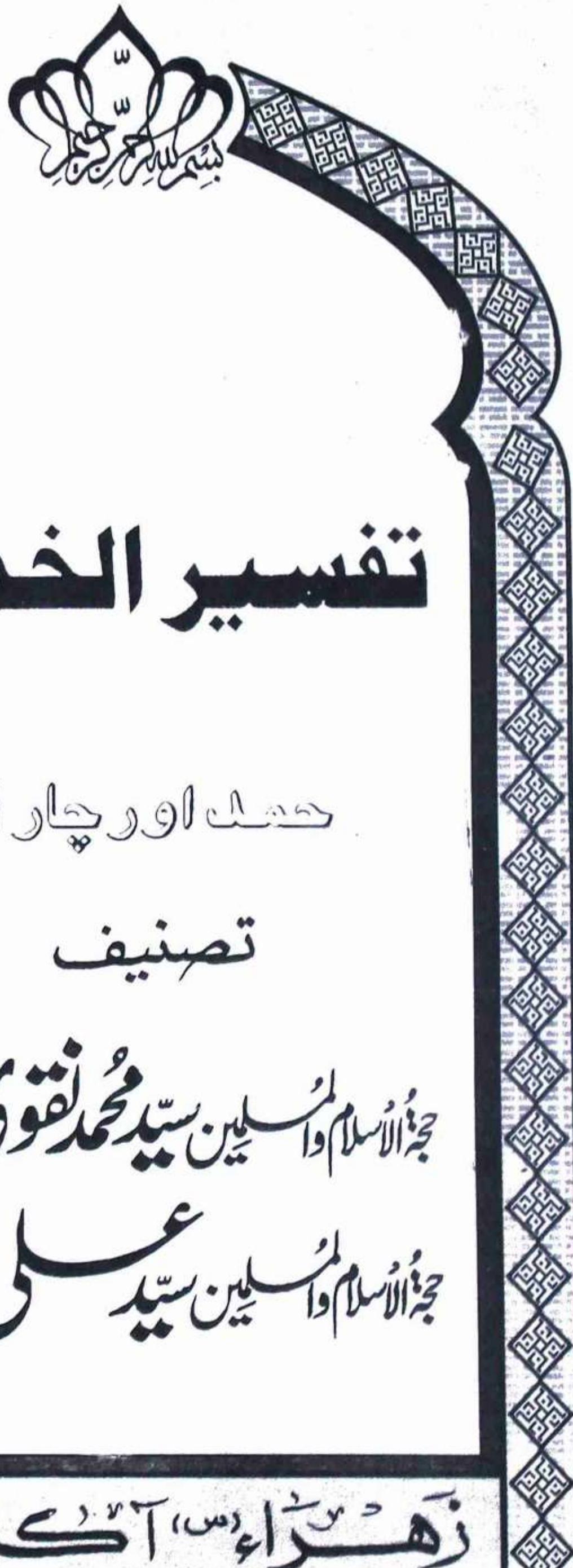
زہراء (س) آکادمی

کتاب کا نام	:	تفسیر الخمسہ
تحریر و تصنیف	:	سید محمد نجفی و سید علی نقوی
حروف بندی	:	جگنو کمپیوٹر سینٹر
ناشر	:	زہراء (س) اکادمی پاکستان
طبع	:	اول
تعداد	:	۱۵۰۰
ہدیہ	:	

أعوذ باللّٰه من الشّیطان الرّجیم

بسم اللّٰه الرّحمن الرّحیم

انتساب

استاد العلماء علّامہ
سید محمّد باقر نقویؒ
اورحضرت استاد العلماء
آیت اللہ سید محمّد یار
نجفیؒ اور انکے عظیم
شاگردوں کے نام
جنھوں نے تعلیمات
دینی کی بنیادیں قائم
کیں۔
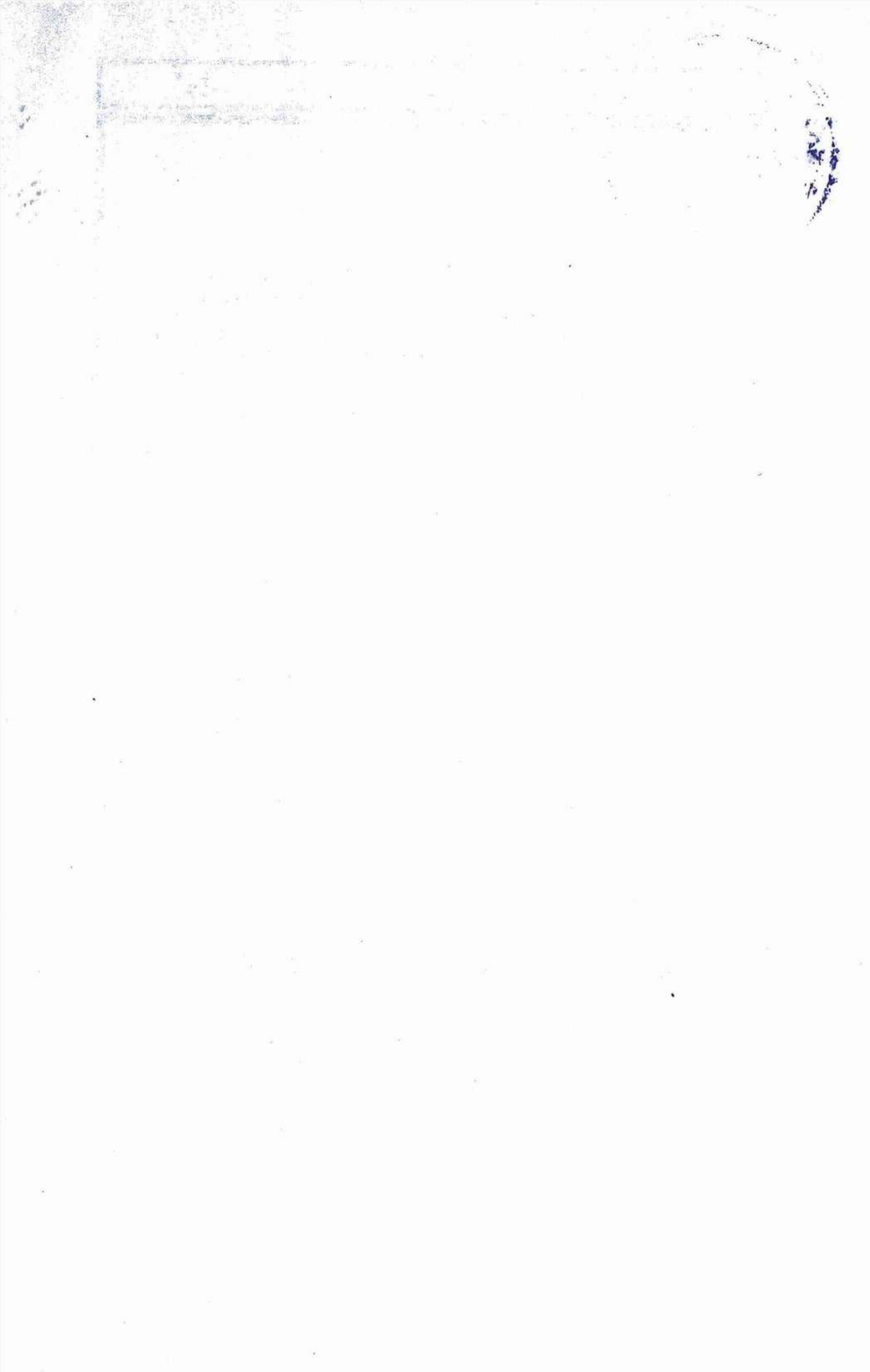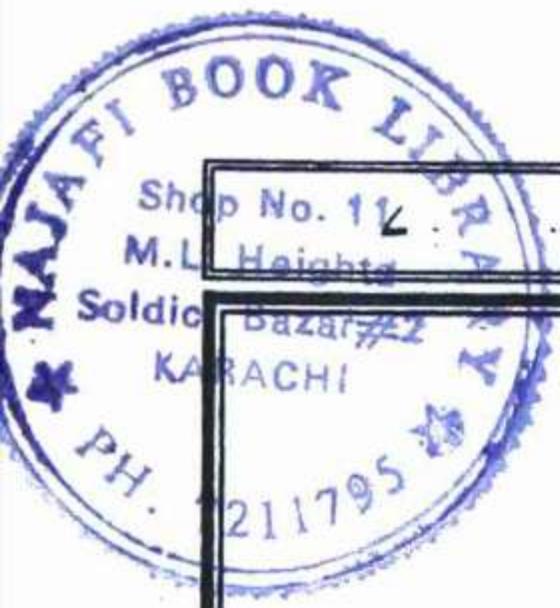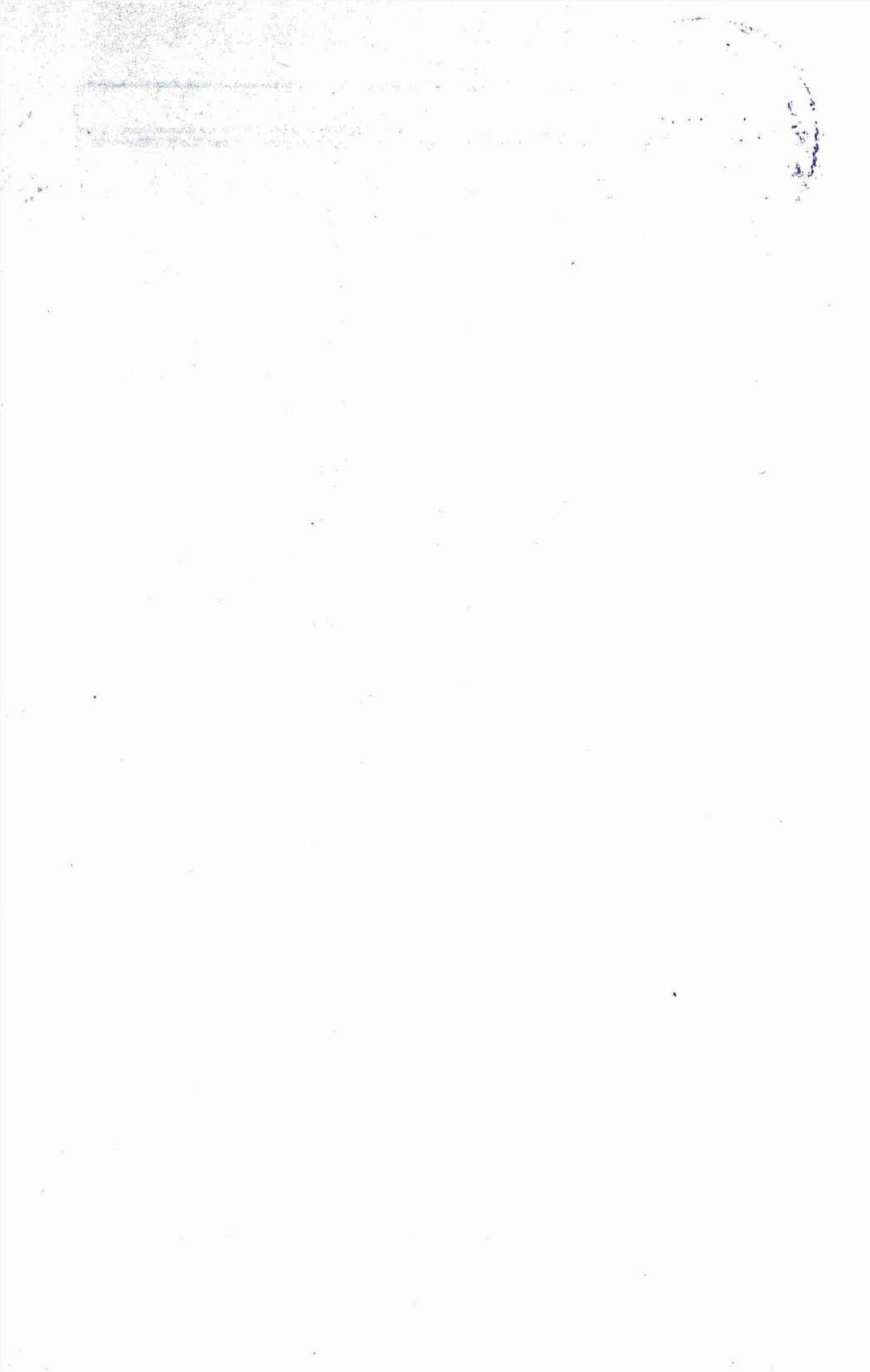
ترتیب

حرف اول ۲۷

سورۂ فاتحہ ۲۹

تعارف

نام

مقام نزول

خصوصیات سورہ

۱۔ قرآن کا اجمالی خاکہ

۲۔ قرآن کے برابر

۳۔ منفرد انداز بیان

۴۔ دعا اور گفتگو کی تعلیم

۵۔ خصوصی اعزاز

۶۔ فریاد کا موجب

۷۔ نماز کا حصہ

۸۔ کتاب الٰہی کا آغاز

۱۔معرفت الٰہی

الف :نام الٰہی سے آغاز

ب :استعانت

ج : اسم خدا

۲۔توحید وصفات الٰہی

الف : کلمہ توحید

ب : رحمت الٰہی

پہلی آیت کی خصوصیتیں

۱۔سورہ کا آغاز

۲۔ہر سورہ کا جزء

۳۔قرآن میں سب سے زیادہ تکرار

۴۔اجمال حمد

۵۔فصل الختام

۶۔نماز میں مکرّر

پہلی آیت کے فضائل

۱۔تمام اعمال پر غالب ہے

۲۔ شیطان کی دوری کا موجب

۳۔ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ

دوسری آیت

تفسیر

۱۔ حمد الہی

الف : اختصاص حمد

ب : تعلیم حمد

۲۔ تربیت الہی

الف : خدائی پرورش

ب : دیگر ارباب کی نفی

۳۔ جہان بینی یعنی تصور کائنات

۴۔ وحدت کلمہ

آیت کے امتیازات

۱۔ حمد کی جملہ اقسام کو شامل ہے۔

۲۔ نماز میں پڑھنا سنت ہے۔

دوسری آیت کے فضائل

شکر نعمت

تیسری آیت

تفسیر

تیسری آیت کے خصوصیات

سب سے پہلی تکرار ہونے والی آیت

الف : استحقاق حمد

ب : تربیت کی دلیل

ج : حقیقی مالک اور مجازی مالک میں فرق

چوتھی آیت

تفسیر

۱۔ حاکمیت اعلی

الف : دنیا میں اقتدار اعلی

ب : آخرت میں اقتدار اعلیٰ

۲۔ معاد

الف : آخرت پر ایمان

ب : روز حساب

پانچویں آیت

تفسیر

ا۔عبادت

الف: حق کی ادائیگی

ب : وہی ذات لائق عبادت ہے

ج : انحصار بندگی

د : خضوع وخشوع

ھ : عبادت خدا کی مرضی سے ہو

و : عبادات کی شرائط اور اقسام

ز : احتیاج عبد

ح :عبادت اختیاری عمل ہے

ط :اصل خدا ہے

ی :عبادت کیوں مقدم ہے؟

ک :لطف حضور

۲۔وحدت کلمہ

۳۔استعانت

الف: ضرورت استعانت

ب :انحصار استعانت

پانچویں آیت کی خصوصیات

۱۔اولین تکرار لفظ

۲۔ پہلا بلا واسطہ خطاب

۳۔ پہلی ضمیر

۴۔ پہلا مطلوب الٰہی

۵۔ پہلا اظہار وجود

پانچویں آیت کے فضائل

نماز حضرت امام زمانہ میں تکرار

چھٹی آیت

تفسیر

۱۔ہدایت

الف: ہدایت تکوینی

ب : ہدایت تشریعی

۲۔دعاء

۳۔ صراط مستقیم

ساتویں آیت

تفسیر

۱۔ الٰہی نعمتیں

۲۔ تربیت الٰہی

۳۔ مغضوبین کی راہ سے دوری

۴۔ گمراہوں کی راہ سے دوری

سورۂ کافرون ۱۴۱

تعارف

نام

شان نزول

خصوصیات

فضائل

۱۔ شرک سے نجات

۲۔ ربع قرآن کی تلاوت

۳۔ سوتے وقت مفید عمل

۴۔ شر سے بچاؤ

مشترکہ فضائل

۱۔ دنیا و آخرت کی سعادت

۲۔ ثلث اور ربع قرآن

۳۔ معصوم کا وطیرہ

۴۔ حساب کتاب سے نجات

۵۔ بچھو کاٹے کا علاج

۶۔ توشۂ سفر

تفسیر آیات

پہلی آیت

تفسیر

دوسری آیت

تفسیر

۱۔قتل کی حکمت

الف: رحمت للعالمین

ب : خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ

ج : صادق اور امین

۲۔کافر کون؟

۳۔کافروں سے کون مراد ہیں؟

تیسری آیت

تفسیر

عبادت فقط خدا کیلئے ہے

چوتھی آیت

تفسیر

اخبار غیب

پانچویں آیت

تفسیر

حق میں ملاوٹ نہیں ہو سکتی

چھٹی آیت

تفسیر

تکرار کیوں؟

ساتویں آیت

تفسیر

ا۔حق وباطل میں مصالحت ممکن نہیں

۲۔کیا یہ آیت بت پرستی کا جواز ہے؟

سورۂ توحید ۱۸۳

تعارف

نام

شان نزول

خصوصیات

ا ترک منع ہے

۲ مکروہ نہیں ہے

۳ آخری حرف دال ہے

فضائل سورہ

۱۔ ثلث قرآن کا ثواب

۲۔ صد شہداء کے برابر ثواب

۳۔ بخشش کا ذریعہ

۴۔ فقر و فاقہ سے نجات

۵۔ قاری کا مقام

۶۔ نماز جنازہ میں فرشتوں کی شرکت

۷۔ تلاوت نہ کرنے کی سزا

تفسیر آیات

پہلی آیت

تفسیر

دوسری آیت

تفسیر

۱۔ یکتا و بے مثال

۲۔ مخفی ذات

تفسیر

۱۔انسانوں کا معبود

۲۔بنیادی صفات الٰہی

پانچویں آیت

تفسیر

وسوسہ ڈالنے والا

چھٹی آیت

تفسیر

۱۔شیطانی حربہ

۲۔خطرناک شیطان

ساتویں آیت

تفسیر

۱۔شیطان کے چیلے

۲۔تکرار ناس بے جانہیں!

۳۔سلامتی دین اہم ہے
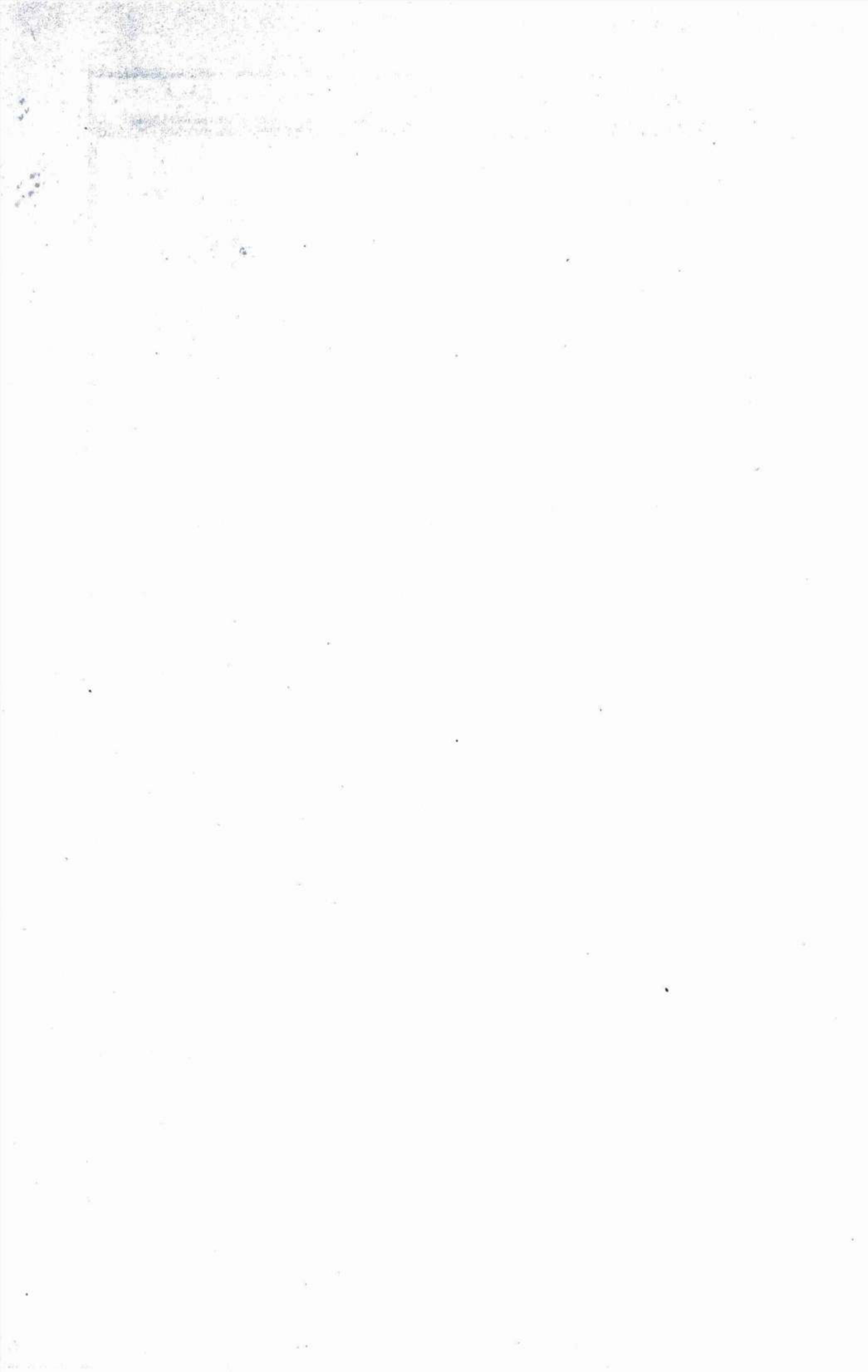
حرف اوّل

قرآن مجید کی چند سورتوں کا انتخاب کر کے ایک نئی نہج پر تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے۔اس تفسیر کو مرتب کرنے کے لئے جو خاکہ بنایا تھا اس کا مقصد صرف اور صرف قرآن سے آشنائی ہے اس سلسلے میں ہم پہلے خود سورہ کو زیر بحث لائے ہیں ایک صفحے پر تعارف کے عنوان سے آیات، الفاظ اور حروف کی تعداد بیان کی ہے۔ساتھ ساتھ متعلقہ سورہ کے مشہور نام اور وجہ تسمیہ بھی مذکور ہے پھر نزول کے تین عنوان شأن نزول، سبب نزول اور ترتیب نزول کو ذکر کیا ہے۔

آیات کی تفصیلی بحث سے پہلے ہر سورہ کے اسماء، موضوعات، مقام نزول، خصوصیات اور فضائل کو علیحدہ سے بیان کیا ہے اور پھر آیات کی تفسیر میں بھی اسی روش کا خیال رکھا گیا ہے کہ ہر آیت کا شأن نزول، فضائل اور خصوصیات بیان کی جائیں اور پھر تفسیری موضوعات کو پیش کیا جائے۔

قرآنی آیات کی تفسیر میں ہم نے اس آیت کا مطالعہ کیا اور پھر غور

کرنے کے بعد اس سے مختلف موضوعات کو اخذ کیا ہے جن کے ذیل میں چند عنوان دے کر اس آیت کی تفسیر بیان کرنے کی سعی کی ہے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں ہم نے اس تفسیر کو آج کے مصروف ترین دور میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اگر قاری کے پاس زیادہ وقت نہ بھی ہو تو اس سے ایک حد تک سورہ سے آشنائی حاصل کر سکتا ہے اسی لئے ہم فلسفیانہ اور عمیق علمی ابحاث کو تفسیر میں نہیں لائے اور نہ ہی پیچیدہ اصطلاحوں کو استعمال کیا ہے۔

اس مقام پر زہرا (س) اکادمی پاکستان، نیز اس کے تمام ارکان خصوصاً مؤسس و سرپرست استاد الفقہاء والمحققین فقیہ البارع علامہ حاج سید حسین مرتضی صاحب نقوی صدر الفاضل مدظلہ، نیز رئیس محترم حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ حاج شیخ شبیر حسین میثمی دامت برکاتہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ ہماری یہ کاوش ان کی مرہون منت ہے۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم ہم سب کو قرآن حکیم کے مطالعہ وفہم نیز علوم ومعارف اسلامی کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

من اللہ التوفیق و علیہ التکلان

سید محمد نجفی و سید علی نقوی

سورۂ فاتحہ

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین الرّحمن

الرّحیم مالک یوم الدین

إیّاک نعبد و إیّاک نستعین

إہدنا الصراط المستقیم

صراط الذین أنعمت علیہم

غیر المغضوب علیہم و لا

الضالّین

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا
بڑا مہربان ہے تمام حمد وثناء اس خدا کیلئے ہے جو
تمام جہانوں کا پالنے والا ہے وہ سب کو فیض
پہنچانے والا بڑا مہربان ہے وہ خدا روز جزاء کا
مالک ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور
بس تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ہمیں سیدھے
راستے کی ہدایت فرما تارہ جو ان لوگوں کا راستہ
ہے جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہیں، ان کا راستہ
نہیں ہے جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ہی
ان کا جو گمراہ ہیں۔

تعارف

آیات: ۷عدد الفاظ: ۲۹عدد حروف: ۱۴۲

نام : اس سورہ کے مشہور نام دو ہیں "فاتحۃ الکتاب" (یا الفاتحۃ) اور "الحمد"۔

وجہ تسمیہ : فاتحہ، کیونکہ اس سے قرآن مجید کا افتتاح ہوتا ہے۔ حمد، کیونکہ اس میں حمد الٰہی ہے۔

مقام نزول: مکہ، اور کہا گیا ہے کہ دوبارہ مدینہ میں بھی نازل ہوا ہے(۱) مگر بعض کہتے ہیں کہ یہ محض مدنی سورہ ہے۔(۲)

سبب نزول: نماز ہے چونکہ یہ سورہ نماز کا لازمی جزء ہے۔(۳)

شان نزول: یہ دیباچۂ قرآن ہے۔

تاریخ نزول: بعثت کے بعد بالکل ابتدائی ایام میں نازل ہوا۔

ترتیب نزول: سب سے پہلے نازل ہوا ہے اور اسکے بعد نازل ہوا۔

---

(۱) صافی ج ۱ ص ۸۰ اور مجمع البیان ج ۱ ص ۱۷

(۲) البیان ص ۴۱۸ اور فصل الخطاب ج ۱ ص ۱۸ (۳) مناقب ابن شہر آشوب ج ۱، ص ۴۴

نام

اس سورہ کے تیس سے زیادہ نام ہیں،(۱) جن میں سے مندرجہ ذیل نام معروف ہیں۔

۱۔أمّ الکتاب۔ کیونکہ قرآن مجید کے بنیادی مفاہیم پر مشتمل ہے۔

۲۔سبع المثاني۔ کیونکہ یہ نام سورہ حجر میں ذکر ہوا ہے۔

۳۔الأساس۔ کیونکہ یہ سورہ قرآن مجید کی بنیاد ہے۔

۴۔الشفاء۔ کیونکہ یہ ہر مرض کے لئے شفاء ہے۔

۵۔الکافیة۔ کیونکہ نماز میں یہی کافی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور سورہ کفایت نہیں کرتا۔

۶۔الصلاة۔ کیونکہ یہ نماز کا لازمی جزء ہے۔

۷۔الکنز۔ کیونکہ یہ خدا کے خزانوں میں سے عظیم ترین خزانہ ہے۔

۸۔الدعاء۔ کیونکہ اس میں دعا بھی ہے اور دعا مانگنے کا طریقہ بھی سکھایا گیا ہے۔

اس سورہ کے دیگر نام یہ ہیں: أمّ القرآن، التحرّز، السؤال، الشافية، الشکر، العبادة، التعليم، المسألة، تعليم المسألة، الإستعانة، الفاتحة، فاتحة الکتاب، فاتحة

القرآن، التفویض، القرآن العظیم، الإستقامة، المنّة، المناجاة، الإنعام، النور،الوافیة، الهدایة، الحمد، الحمد الأولیٰ، الحمد القصریٰ والراقیة۔

مقام نزول

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ مدنی سورہ ہے مگر ہماری رائے میں یہ سورہ مکی ہے اور ہجرت سے پہلے نازل ہوا ہے۔ اپنے مؤقف کی تائید میں ہم چار دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

(الف) امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ:

نزلت فاتحة الكتاب بمكة من كنز تحت العرش

سورۂ فاتحہ عرش کے نیچے کے ایک خزانہ میں سے مکہ میں نازل ہوا۔

(ب) چونکہ نماز، بعثت کے فوراً بعد ہی واجب ہوئی ہے اور سورۂ فاتحہ نماز کا لازمی جزء ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ: لا صلاة إلّا بالفاتحة سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ شروع ہی سے اسے نماز میں پڑھا جاتا ہے لہذا یقیناً یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے۔ اگر یہ مان لیں کہ یہ مدنی ہے تو اس کا

---

(۱) دیکھیں الاتقان، اس کتاب میں پچیس نام موجود ہیں اور باقی نام بھی دیگر تفاسیر میں موجود ہیں۔

مطلب ہے کہ قبل ہجرت دس سال تک بغیر فاتحہ کے نماز پڑھی جاتی رہی ہے۔

(ج) یہ سورہ سبع مثانی ہے (سبع مثانی کے ایک معنی یہ ہیں کہ اسکی ساتوں آیتیں ہر نماز میں دو مرتبہ پڑھی جاتی ہیں) سبع مثانی کا ذکر سورۂ حجر کی آیت ۸۷ میں ان الفاظ کے ساتھ ہوا ہے ولقد آتیناک سبعاً من المثاني اور سورہ حجر یقیناً مکی سورہ ہے اسی بنا پر سورہ فاتحہ بھی مکی ہے۔

(د) یہ سب سے پہلے نازل ہونے والا سورہ ہے حتی کہ مکی سورتوں میں بھی سب سے پہلے نازل ہوا ہے۔ جبکہ جو سورے مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد نازل ہوئے وہ مدنی کہلاتے ہیں۔

خصوصیات سورہ

یہاں ہم ان امور کا تذکرہ کریں گے جو اس سورہ سے مخصوص ہیں یہ خصوصیات کسی اور سورہ میں نہیں پائی جاتی ہیں اس مبارک سورہ کی تیرہ مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

ا۔قرآن کا اجمالی خاکہ

قرآن مجید میں ہر خشک وتر کا ذکر موجود ہے اور یہ سورہ اس کا اجمال ہے چونکہ سنت الٰہی یہ ہے کہ پہلے ایک چیز کو اجمال سے ذکر کیا جاتا ہے پھر تدریجاً اسے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے یہ سورہ جن بنیادی اصولوں پر مشتمل ہے پورا قرآن ان کی وضاحت کرتا ہے۔(۱)

۲۔قرآن کے برابر

خداوند تعالیٰ نے اس سورہ کو قرآن کے برابر قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے:

---

(۱) المنار ج ا ص ۳۵

ولقد آتیناك سبعاً من المثاني والقرآن العظیم (۱)

اور ہم نے آپ کو سبع مثانی (یعنی فاتحہ) اور قرآن عظیم عطاء کیا ہے۔

اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کو کہ جس کا ایک نام سبع مثانی ہے قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ پیامبر اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: وجعلها بأزاء القران العظیم (۲)

خداوند متعال نے اسے قرآن کے برابر قرار دیا ہے۔

۳۔ منفرد انداز بیان

اس سورہ کا انداز بیان باقی سورتوں سے بنیادی فرق رکھتا ہے۔ قرآن مجید کی باقی سورتیں کلام خدا ہیں۔ مگر اس سورہ میں خداوند عالم مخلوق کے کلام کو اپنے الفاظ میں بیان فرما رہا ہے۔

۴۔ دعا اور گفتگو کی تعلیم

اس سورہ میں خداوند متعال اپنی ذات سے بلا واسطہ دعا مانگنے اور گفتگو کرنے کا طریقہ سکھلا رہا ہے، درس دے رہا ہے کہ پروردگار عالم کے حضور کیا درخواست پیش کی جائے اور کس انداز سے التجاء کی جائے۔

---

(۱) حجر آیت ۸۷ (۲) البرہان ج ۱ ص ۲۶

۵۔خصوصی اعزاز

یہ سورہ پیغمبر اکرمؐ کے لئے عظیم اعزاز اور عطیۂ الٰہی ہے حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام پیغمبر گرامیؐ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: إنّ اللّٰہ تعالیٰ أفرد الإمتنان عليّ بفاتحة الکتاب (۱)

خالق کائنات نے سورۂ حمد دے کر مجھ پر خاص طور پر احسان کیا ہے۔

٦۔فریاد کا موجب

قرآن کی سورتوں میں فقط یہ سورہ ہے جو شیطان کی فریاد و نالہ کا موجب بنا جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

رنّ إبلیس أربع رنّات أولھنّ یوم لعن وحین أھبط إلی الأرض و حین بعث محمد صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم وحین أنزلت أمّ الکتاب (۲)

شیطان نے چار مرتبہ بلند آواز سے فریاد کی پہلی مرتبہ جب بارگاہ الٰہی سے لعنت کا مستحق ٹھہرا، دوسری مرتبہ جب بارگاہ الٰہی سے دھتکار کر زمین پر پھینکا گیا، تیسری مرتبہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور چوتھی اور آخری مرتبہ جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

---

(۱) البرہان ج ۱ ص ۲٦　　(۲) نور الثقلین ج ۱ ص ۴

۷۔نماز کا حصہ

نماز دین کا ستون ہے اور یہ سورہ اس کا لازمی جزء ہے۔یہ اسی سورہ کی خصوصیت ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی دیگر کسی بھی سورہ میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔(۱)

۸۔کتاب الٰہی کا آغاز

اس سورہ سے قرآن مجید کا آغاز ہوتا ہے اس کو آغاز میں اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ قرآن کا دیباچہ ہے۔اسی سے خالق اور مخلوق کا رابطہ شروع ہوا ہے۔

۹۔پہلا سورہ

یہ قرآن میں نازل ہونے والا پہلا سورہ ہے۔اسے سب سے پہلے نازل کیا گیا کیونکہ اس میں قرآن کے معارف کا مکمل نچوڑ موجود ہے۔(۲)

---

(۱)البیان ص ۴۱۹ جیسا کہ حدیث میں ہے لا صلوٰۃ الاّ بفاتحۃ الکتاب فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔

(۲)المنار ج ۱ ص ۳۴ اور ص ۳۸

۱۰۔واجب سورہ

قرآن مجید کا یہ سورہ اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ اس کا سیکھنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے بلکہ اس کو حفظ کرنا ضروری ہے، دیگر کسی بھی قرآنی سورہ میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔

۱۱۔عرش الٰہی کا اہم خزانہ

یہ سورہ عرش الٰہی کے اہم خزانوں میں سے ایک اہم و عظیم خزانہ ہے۔ حضرت امیرؑ فرماتے ہیں:

إنّ فاتحة الكتاب أشرف ما في كنوز العرش (۱)

سورہ فاتحہ عرش کے خزانوں میں سب سے عظیم خزانہ ہے۔(۲)

۱۲۔آسمانی صحیفوں کا جامع

یہ سورہ تمام آسمانی صحیفوں کے علوم، برکات اور ثواب کا جامع ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

خداوند متعال نے آسمان سے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں، ان میں سے چار کو چنا، باقی سو کتابوں کے علوم کو ان چار کتابوں میں جمع فرمایا اور

---

(۱) برہان ج۱ص۲۶

(۲) اس سلسلے میں ایک حدیث پہلے بھی بیان ہو چکی ہے۔

وہ چار کتابیں توریت، انجیل، زبور اور قرآن ہیں۔ پھر ان چاروں کے علوم و برکتوں پڑھنے اور جاننے کے ثواب کو قرآن میں رکھا۔ پھر قرآن کے علوم اور برکتوں کو جمع کیا اور ایک مفصل سورہ میں رکھا۔ پھر اس مفصل سورہ کے علوم اور برکتوں کو فاتحۃ الکتاب میں جمع کر دیا۔ اس لیے فاتحۃ الکتاب کا پڑھنا ایسا ہے جیسے کسی نے ایک سو چار کتابیں پڑھ لی ہوں۔ (۱)

۱۳۔ کثیر نام

علماء علم و ادب کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز کے نام زیادہ ہوں تو یہ اس کی اہمیت اور بزرگی کی علامت ہوتی ہے۔ سورۂ فاتحہ اسی خصوصیت کا مالک ہے کہ اس سورہ کے بقیہ تمام سورتوں کی نسبت زیادہ نام ہیں اور مفسرین نے تیس سے زیادہ نام لکھے ہیں (۲)۔ اور یہ ایک علیحدہ خصوصیت ہے اس کے متعدد نام اس کی عظمت اور بزرگی کو آشکار کرتے ہیں۔

---

(۱) ابوالفتوح رازی ج۱ ص ۱۷

(۲) اس سورہ کے نام گذشتہ صفحات میں ایک علیحدہ بحث کے طور پر بیان ہو چکے ہیں۔

فضائل سورہ

فضائل میں تلاوت کا ثواب اور سورہ کے معنوی آثار کا تذکرہ کرتے ہیں۔ چونکہ یہ سورہ بہت باعظمت ہے اس لیے اس سورہ کے تمام فضائل کا یکجا بیان ناممکن ہے۔ البتہ ہم تبرکاً پانچ کے تذکرہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۱۔اسم اعظم

روایات میں اس سورہ کی فضیلت میں بیان ہوا ہے کہ اس میں یقینی طور پر اسم اعظم موجود ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إسم الله الأعظم مقطع في أمّ الكتاب (۱)

قطعی طور پر سورہ حمد میں اسم اعظم الٰہی موجود ہے۔

۲۔تاکید تلاوت

اس سورہ کی تلاوت، قرب الٰہی کا موجب ہے اور اسی وجہ سے شیعہ وسنی روایات میں اسکی تلاوت کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے کیونکہ اس کی

---

(۱) تفسیر شہید مصطفیٰ خمینی ج۱ ص ۲۵ نقل از ثواب الاعمال ص ۲۳۳

تلاوت انسان میں ایمان کی روح کو تقویت دیتی ہے۔ معنویت اور باطنی پاکیزگی عطا کرتی ہے انسان کے ارادے کو مضبوط کرتی ہے اور انسان کو گناہ اور گمراہی سے بچاتی ہے۔(۱)

۳۔ثواب تلاوت

اس سورہ کی تلاوت کا ثواب دوتہائی قرآن کی تلاوت کے ثواب کے برابر ہے اسی وجہ سے پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے:

أيـما مسلم قرأ فاتحة الكتاب أعطي من الأجر كأنّما قـرأ ثلثي الـقرآن أعطي من الأجر كأنّما تصدّق علىٰ كلّ مؤمن ومؤمنة (۲)

جو مسلمان بھی سورۂ حمد کی تلاوت کرتا ہے اسے قرآن کی دو تہائی پڑھنے کا ثواب عطا کیا جائے گا اور اسے تمام مؤمنین اور مؤمنات کو صدقہ دینے کا بھی ثواب عطاء ہوگا۔

---

(۱) نمونہ ج ۱ص ۵

(۲) مجمع البیان ج ۱ اور جامع الجوامع ج ۱ص ۵۲

۴۔شفاء

یہ سورہ تمام جسمانی اور روحانی تکالیف کیلئے شفاء ہے جیسا کہ جابر ابن عبداللہ انصاری نے رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے:

هي شفاء من كلّ داء إلاّ السّام والسّام الموت(۱)

یہ سورہ، موت کے علاوہ ہر مرض کے لئے دوا ہے۔

اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ:

من لم يبرئه الحمد لم يبرئه شئ(۲)

جس کو سورۂ حمد سے افاقہ نہ ملے اسے کوئی چیز بھی افاقہ نہیں دے سکتی ہے۔

نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لوقرئت الحمد علىٰ ميّت سبعين مرّة ثم ردّت فيه الرّوح ما كان ذلك عجباً(۳)

اگر سورہ حمد کسی میت پر ستر مرتبہ پڑھی جائے اور اس کی روح پلٹ آئے تو تعجب کی بات نہیں ہے۔

---

(۱) جوامع الجامع ج ۱

(۲) اصول کافی جلد ۴ ص ۲۲۳ ح ۲۲ (۳) اصول کافی ج ۴ ص ۴۲۹

۵۔ تمام آسمانی کتب کی برکات وثواب

اس سورہ میں تمام آسمانی کتابوں کے جاننے اور پڑھنے کا ثواب رکھا گیا ہے، حدیث میں ہے جو بھی فاتحۃ الکتاب پڑھے گا ایسے ہی ہے جیسے ایک سو چار آسمانی کتابیں پڑھی ہوں۔(۱)

---

(۱) ابوالفتوح رازی ج۱ ص ۱۷
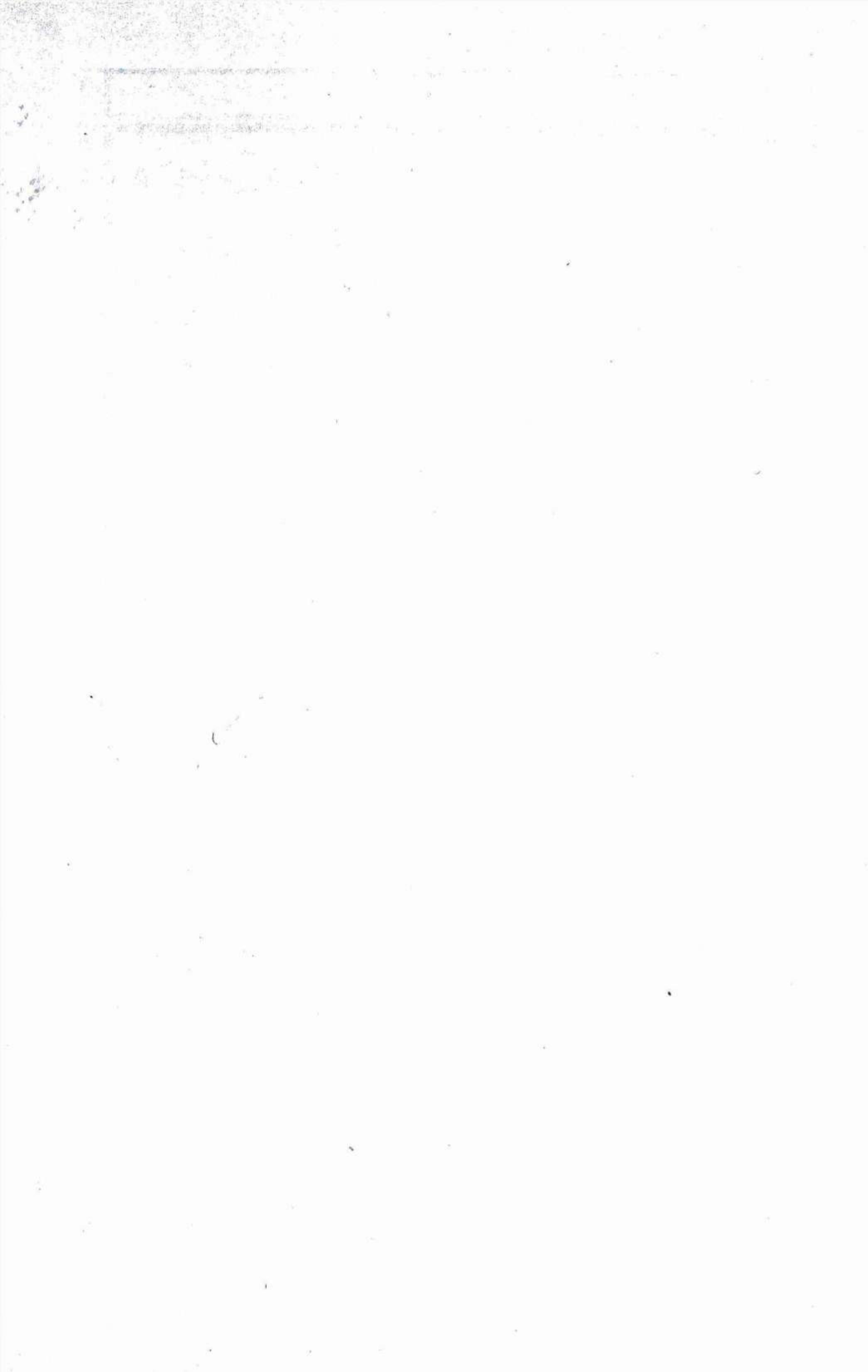
تفسیر آیات

سورہ کے موضوعات

یہ سورہ قرآن مجید کے بنیادی نکات پر مشتمل ہے اس کے موضوعات کا احاطہ وشمار نہایت مشکل ہے لہذا اہم چند اہم موضوعات کی فہرست ذکر کرتے ہیں پھر انکی تفصیل بیان کریں گے۔

(۱) معرفت الٰہی
(۲) توحید وصفات الٰہی
(۳) حمد الٰہی
(۴) تربیت الٰہی
(۵) تصور کائنات
(۶) اتحادو یک زبان ہونا
(۷) حاکمیت اعلی
(۸) معاد
(۹) عبادت
(۱۰) استعانت
(۱۱) خصوصی ہدایت
(۱۲) دعا
(۱۳) صراط مستقیم
(۱۴) الٰہی نعمتیں
(۱۵) مغضوبین کے راستہ کی نفی
(۱۶) ضالین کے راستہ کی نفی

پہلی آیت

﴿بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔

تفسیر

ہم اس آیۂ مبارکہ اور مکرّمہ کی تفسیر میں مندرجہ ذیل دو بنیادی موضوعات کو پانچ ذیلی عناوین میں بیان کر سکتے ہیں۔

۱۔معرفت الٰہی

۲۔توحید وصفات الٰہی

۱۔معرفت الٰہی

الف: نام الٰہی سے آغاز

اللہ کے نام سے آغاز کرنا انتہائی بابرکت عمل ہے۔ یہ تمام امور کے احسن طریقہ پر انجام پانے کا موجب بنتا ہے۔ پروردگار عالم اس آیت سے اپنے پاک کلام کا آغاز کر کے یہ رسم قائم کر رہا ہے اور تربیت دے رہا ہے کہ کسی بھی کام میں یاد خدا سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

جس کو ہر کام میں خدا یاد رہے گا اس کا کوئی کام قانون خداوندی کے خلاف نہ ہوگا۔ اس کی زندگی گناہوں سے پاک رہے گی۔ جیسا کہ حضرت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معروف حدیث میں ہے:

كلّ أمرٍ ذی بالٍ لم يذكر فيه إسم الله فهو أبتر

کسی بھی اہم کام میں اگر خدا کے نام کا ذکر نہ ہو تو وہ کام ادھورا رہے گا۔(۱)

اس حدیث نبوی کو حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے نقل فرمایا ہے اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ انسان کوئی بھی کام انجام دینا چاہے تو لازم ہے کہ **بسم اللہ** کہے یعنی میں اس کام کو اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ جو کام اللہ کے نام سے شروع ہو گا وہ مبارک ہو گا۔

نیز امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

وينبغي الإتيان بها عند إفتتاح كلّ أمر عظيم أو صغير ليبارك فيه (۲)

بہتر ہے کہ ہر چھوٹے یا بڑے کام کے آغاز پر **بسم اللہ** کہا جائے تا کہ وہ کام مبارک ہو۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۱۶، ب ۵۸ ایک اور روایت بھی ہے جس میں لم یبدء بـ **بسم اللہ** ہے۔ سر البیان ص ۲۶۶

(۲) تفسیر العیاشی ج ۱، ص ۱۹

ب: استعانت

اس آیت سے آغاز کر کے یہ درس دیا جا رہا ہے کہ ہر مسلمان زندگی کے ہر قدم پر اللہ سے سہارا مانگے تا کہ یہ احساس ہمیشہ قائم رہے کہ تنہا وہی برتر ذات ایسی ہے جو مدد دے سکتی ہے۔ بار بار اس امر کا اظہار ہو کہ ہمیشہ اسی کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے۔ اسی سے توفیق طلب کی جائے تا کہ بلند ہمتی سے امور انجام پائیں۔ یہ عظیم مقصد تبھی پورا ہو سکتا ہے کہ اپنی عاجزی کو تسلیم کرتے ہوئے تنہا قادر مطلق پر اعتماد کیا جائے۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا فرمان ہے:

أستعين على أموري كلّها بالله الّذي لا تحق العبادة إلاّ له (۱)

میں اپنے تمام امور میں خدا ہی سے مدد اور سہارا طلب کرتا ہوں اس کے علاوہ کوئی بھی عبادت واطاعت کے لائق نہیں ہے۔

ج: اسم خدا

خدا کا اسم ذات "اللہ" ہے۔ یہی ایک نام خدا کے تمام اسماء وصفات کا جامع ہے۔ اسی لیے بسم اللہ کہا جاتا ہے بسم الخالق یا بسم

---

(۱) الفرقان ج ۱، ص ۷۹

الــــرازق نہیں کہا جاتا۔ بقیہ تمام اسماء وصفات کو اسی کلمہ اللہ کی صفت کی حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے۔ اللہ کے باقی ناموں (جو۹۹ سے زیادہ ہیں) میں سے ہر نام کسی ایک کمال یا صفت کو منعکس کرتا ہے۔ مثال کے طور پر غفور و رحیم سے خدا کی بخشش و رحمت کی طرف اشارہ ہے۔

لہذا جس طرح خدا اپنی ذات میں واحد ہے اسی طرح اپنے نام ''اللہ'' میں بھی واحد ہے قرآن مجید میں یہ نام سب ناموں اور صفات سے زیادہ یعنی ۲۶۹۷ دفعہ ذکر ہوا ہے۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

اللّٰہ أعظم أسماء من أسماء اللّٰہ وھو الإسم الّذي لا ینبغي أن یسمّی بہ غیر اللّٰہ لم یتسم بہ مخلوق (۱)

اللہ خدا کے ناموں میں سب سے عظیم نام ہے یہ ایسا نام ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی بھی اس نام سے موسوم نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی بھی مخلوق یہ نام رکھ سکتی ہے۔

---

(۱) الفرقان ج ۱ ص ۸۲ اور صافی ج ۱ ص ۸۱

۲۔توحید وصفات الٰہی

الف:کلمہ توحید

اس آیہ میں لفظ اللہ کلمہ توحید ہے چونکہ یہی نام خدا کا مخصوص اور جامع نام ہے لہذا وحدانیت کی گواہی (لا إلــه إلاّ اللّٰه) صرف اس نام سے مکمل ہوتی ہے اور لا إله إلاّ الخـالق یا لا إله إلاّ الرّازق وغیرہ جیسے جملے خدا کی توحید پر دلالت نہیں کرتے اور یہ جملے دائرہ اسلام میں بلکہ اہل توحید میں داخل ہونے کیلئے بھی کافی نہیں ہیں۔(۱)

ب:رحمت الٰہی

یہ آیت رحمت واسعہ خداوندی کو بیان کرتی ہے۔آیت میں دو دفعہ رحمت کا ذکر آیا ہے رحمٰن اور رحیم کے الفاظ رحمت کی شدت اور قوت کو بتاتے ہیں مگران دونوں میں فرق ہے۔

خالق متعال کی رحمت رحمانیہ تمام مخلوقات کیلئے ہے۔اس دنیا میں مؤمن اور صالح یا کافر اور فاسق سب لوگوں کے لئے اس کی یہ رحمت ہے

---

(۱)البیان ص ۴۲۵۔

کیونکہ خالق سب کا خالق ہے اور سب کو نعمت حیات اور رزق عطاء فرماتا ہے۔

خالق متعال کی رحمت رحیمیہ مؤمنین سے مختص ہے۔ اس نے دنیا میں ان کو توفیق عطاء کیہے کہ نیک کام کریں۔ آخرت میں بھی انہیں اپنی خاص رحمت سے نوازے گا۔ انکی مغفرت ہوگی اور وہ جنت میں وارد ہونگے۔(۱)

پیامبر اکرمؐ کا فرمان ہے:

الرّحمن رحمان الدّنیا والرّحیم رحیم الآخرۃ (۲)

رحمٰن یعنی اس دنیا میں اسکی رحمت چھائی ہوئی ہے۔ رحیم یعنی آخرت میں اسکی رحمت کے جلوے ہونگے۔

رحمت ایک ایسی صفت ہے جس کے آثار تمام عالم پر سایہ فگن ہیں۔ تمام مخلوقات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ کٹھن مراحل میں خاص طور پر اس صفت سے وابستگی نجات کا موجب بنتی ہے۔ ملائکہ، حاملان عرش، انبیاء کرام، اولیاء الٰہی، نجات یافتہ اقوام اور مؤمنین زندگی کی ہر مشکل گھڑی میں اسی صفت سے تمسک کرتے رہے ہیں نیز ہمیشہ خدا کی رحمت ہی نجات کا موجب بنی ہے۔

اسی طرح کسی بھی کام کا جب خدا کے نام سے آغاز ہوتا ہے تو اس صفت کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ کاموں میں پیشرفت وترقی اور مشکلات سے

---

(۱) مجمع البیان ج ۱ ص ۹۳، صافی ج ۱ ص ۸۱ (۲) مجمع البیان ج ۱ ص ۹۳، صافی ج ۱ ص ۸۱

نجات کیلئے رحمت الٰہی سے بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ ہر ذی روح، خدا کی وسیع رحمت سے بہرہ مند ہے۔ مؤمنین کی تمام امید و توقع رحمت خدا ہی سے وابستہ ہے۔

یہ ایسی ہمہ گیر صفت ہے جو دلوں کو آپس میں جوڑ دیتی ہے۔ جس میں ربط باہمی کی جادوئی تاثیر ہے۔ لہذا المخلوق اپنے خالق سے رشتہ استوار کرتے ہوئے اسی صفت رحمت کا سہارا لے۔ چونکہ اس طرح وہ تمام جگہوں سے مایوسی کا اظہار کرتا ہے، اپنے دل کو صرف خدا سے وابستہ کرتا ہے، اسی سے مدد و نصرت طلب کرتا ہے اور غیر خدا سے قطع تعلق کر لیتا ہے کیونکہ صرف خدا ہی کی رحمت ہمہ گیر اور وسیع ہے۔

آخرت میں بھی مؤمنین کی امید صرف اور صرف خدا کی رحمت پر ہوگی۔ وہاں انسان کو رحمت الٰہی کے علاوہ کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی ہے۔ شفاعت بھی اس کی رحمت کا ہی ایک حصہ ہے۔ چونکہ خداوند عالم کے ہر کام کی بنیاد رحمت پر ہے۔ بدلہ یا سزا استثنائی صورت ہے۔ جب تک تمام قطعی اسباب جمع نہ ہوں سزا متحقق نہ ہوگی۔ جیسا کہ دعائے جوشن کبیر میں پڑھتے ہیں یا من سبقت رحمتہ غضبہ اے وہ ذات کہ جس کی رحمت اس کے غضب پر غلبہ پا جاتی ہے۔

آقائے خوئیؒ نے اپنی تفسیر میں ایک اور مفہوم ذکر کیا ہے کہ رحمٰن کا

معنی یہ ہے کہ اس کی رحمت تمام چیزوں پر چھائی ہوئی ہے اور رحیم یعنی رحمت اس کی دائمی صفت ہے اور اسکی ذات کا لازمہ ہے یہ اس سے جدا نہیں ہو سکتی اور انہیں دو معانی کو بیان کرنے کے لئے اس چھوٹی سی آیت میں دونوں الفاظ کو لایا گیا ہے۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ اس صفت کا تذکرہ ہر مسلمان صرف اپنی یومیہ نمازوں میں کم از کم ساٹھ (۶۰) مرتبہ ضرور کرتا ہے تاکہ دنیا و آخرت میں اس صفت کے ساتھ اپنی وابستگی اور امید کا اظہار کرتا رہے۔

اور اگر نوافل کو بھی مدنظر رکھا جائے تو انکی ۳۵ رکعتیں ہیں (جو ۳۴ رکعت شمار ہوتی ہیں) اور ہر رکعت میں کم از کم چھ مرتبہ تذکرۂ رحمت ہوتا ہے (چار مرتبہ سورہ حمد میں اور دو مرتبہ دوسری سورہ کی بسم اللہ میں) تو نوافل میں تعداد ۲۱۰ ہو جاتی ہے جبکہ مجموعی تعداد ۲۷۰ ہو جاتی ہے۔

---

(۱) البیان ص ۴۳۸۔

پہلی آیت کی خصوصیتیں

اس آیت کی چھ اہم خصوصیتیں ہیں۔

ا۔ سورہ کا آغاز

اس آیت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ سورۂ توبہ کے علاوہ تمام قرآنی سورتوں کا آغاز اسی آیت سے ہوتا ہے۔

۲۔ ہر سورہ کا جزء

یہ آیت سوائے سورۂ توبہ کے بقیہ تمام سورتوں کا جزء ہے، تمام شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے کہ یہ آیت قرآن کا جزء ہے۔ ۱۱۳ سورتوں کی پہلی آیت ہے اس سلسلہ میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔ سب سے اہم دلیل اہلبیت علیہم السلام سے منقول روایات ہیں۔(۱)

یہاں ہم ان میں سے صرف ایک روایت کو ذکر کرتے ہیں۔ مولائے

---

(۱) دیکھیں: کتاب فروع کافی، باب قرآئت قرآن، الاستبصار ج ۱ ص ۳۱۱، تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۱۵۳، وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۳۵۲۔

کائنات حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

والتسميّة في أوّل كلّ سورة آية منها(۱)

قرآن کی ہر سورہ کی ابتداء میں جو بسم اللہ ہے وہ اس سورہ کی ایک آیت ہے۔

ان کے علاوہ اہل مکہ، اہل کوفہ، (۲) اہل مدینہ کے بعض صحابہ وتابعین، تمام شافعی، قراء مکہ اور کوفہ نیز دیگر علماء کی ایک کثیر تعداد بھی اس آیت کو قرآن کا جزء مانتی ہے۔ انکی سب سے اہم دلیل، صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ (۳) اس کے علاوہ اہل سنت کی کتابوں میں بھی ایسی بہت سی روایتیں موجود ہیں جن کی رو سے اس آیت کا جزء سورہ ہونا ثابت ہے (۴) گرچہ

---

(۱) صافی ج۱ص۸۲۔

(۲) (آلوسی) تفسیر روح المعانی ج۱ص۳۹۔

(۳) تفسیر المنار ج۱ص۳۹۔

(۴) دیکھیں۔ صحیح مسلم باب حجة من قال البسملة آية ج۲، سنن ابی داؤد باب جهر بالبسملة ج۱، اتقان نوع ۲۲ تا ۲۷ ج۱، سنن نسائی باب قرائت البسملة ج۱، سنن بیہقی ج۲ باب دليل على وأن البسملة آية تامة، مسند احمد ج۳ اور ج۴، مستدرک حاکم ج۳ اور سنن ترمذی باب ما جاء فی ترک الجهر بالبسملة ج۲ وغیرہ

روایات اور اجماع کے ہوتے ہوئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے لیکن مزید اطمینان کی خاطر چند دلیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

الف۔ سیرت مسلمین: مسلمانوں کا شروع سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ ہر سورہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے رہے ہیں اور اگر یہ آیہ سورتوں کا جزء نہ ہوتا تو پیغمبر اکرمؐ پر لازم تھا کہ تصریح فرماتے کہ یہ سورہ کا جزء نہیں ہے۔ (۱)

ب۔ تمام صحابہ اور تابعین کے مصاحف: ان کے مصاحف میں ہر سورہ کے ابتداء میں یہ آیت موجود ہے حالانکہ صحابہ نیز تابعین نے اپنے مصاحف میں صرف آیات قرآنی کو درج کیا ہے اور ان کا اصرار رہا ہے کہ قرآن کے علاوہ کوئی بھی اور چیز درج نہ ہونے پائے، اگر صرف سورتوں میں تمیز اور فاصلہ کے لیے درج کیا ہوتو پھر سورۂ حمد کے آغاز میں اس کی ضرورت نہ تھی اور سورۂ توبہ کے آغاز میں بھی اسے درج کرنا چاہیے تھا۔ (۲)

ج۔ عقلی دلائل: یہ سورہ حمد کا جزء نہ ہوتو پھر سورہ حمد سبع مثانی نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کے ساتھ ہی سورہ حمد کی سات آیتیں بنتی ہیں (اور سبع کا معنی

---

(۱) البیان ص ۴۴۵۔

(۲) البیان ص ۴۴۵۔

سات ہے) جب یہ سورۂ حمد کا جزء ہے تو بقیہ سورتوں کا بھی اسی طرح جزء ہے۔

نیز سورۂ توبہ کے آغاز میں اس آیت کا نازل نہ ہونا یہ بتلاتا ہے کہ بقیہ سورتوں کے ساتھ یہ آیت نازل ہوئی ہے اور ان کا یہ جزء ہے۔

د۔اجماع امت: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ما بین الدفتَین (دو جلد کے درمیان) جو قرآن مجید لوگوں میں ہے وہی قرآن منزل ہے اور وہ کلام اللہ ہے اور بسم اللہ اس میں شامل ہے لہذا لازماً یہ بھی قرآن کا جزء ہے اور جتنی دفعہ بھی تکرار ہوا ہے اتنی ہی دفعہ نازل ہوا ہے۔(۱)

۳۔قرآن میں سب سے زیادہ تکرار

یہ آیت قرآن مجید میں ۱۱۴ بار آئی ہے۔کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کی یہ خصوصیت ہو قرآن مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہیں۔سورۂ توبہ کے علاوہ ہر سورہ کے آغاز میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔سورۂ نمل میں دو دفعہ موجود ہے۔ یوں اس کی تعداد قرآنی سورتوں کے برابر ہوگئی۔جتنی سورتیں خداوند متعال نے نازل فرمائی ہیں اتنی ہی تعداد میں اس آیت کو بھی نازل فرمایا ہے۔

---

(۱) مراغی جلد ۱ ص ۲۶۔

۴۔اجمال حمد

یہ آیت اس جگہ پر سورہ حمد کے تمام مطالب کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور جس طرح حمد ''اجمالِ قرآن'' ہے اسی طرح یہ آیت یہاں ''اجمالِ حمد'' ہے۔(۱)

۵۔فصل الختام

اس آیت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قرآنی سورتوں کے آغاز اور اختتام کا پتہ دیتی ہے بلکہ نزول قرآن کے موقع پر بھی اسی آیت کے نازل ہونے سے گذشتہ سورہ کا اختتام ہو جاتا تھا اور جدید سورہ کی ابتداء کا پتہ چلتا تھا۔(۲)

جیسا کہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

وإنّما كان يعرف إنقضاء السورة بنزولها إبتداءً للأخرىٰ (۳)

---

(۱) فرقان ج۱ص۷۷۔

(۲) مراغی ج۱ص۲۶۔

(۱) صافی ج۱ص۸۲ یہی روایت عیاشی نے اپنی تفسیر میں امام جعفر صادق (ع) سے بھی نقل کی ہے۔

ہر سورہ کی ابتداء اور انتہاء اسی آیت کے نزول سے معلوم ہوتی تھی۔

۶۔نماز میں مکرّر

یہ آیت ہر نماز میں لازمی طور پر کم از کم چار مرتبہ پڑھی جاتی ہے اس طرح فقط فرض نمازوں میں ہی ۲۰ مرتبہ پڑھی جاتی ہے اور اسے روزانہ کی نافلہ نمازوں میں ۷۰ مرتبہ ضرور دہرایا جاتا ہے۔

پہلی آیت کے فضائل

اس آیت کے فضائل کا احاطہ قوت بشری سے باہر ہے بہر حال مندرجہ ذیل تین فضائل ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ تمام اعمال پر غالب ہے

اس آیت میں ذات خداوندی کے تین ایسے باعظمت نام بیان ہوئے ہیں جو تمام ناموں اور صفات کے جامع ہیں۔ یہ تین نام امت مسلمہ کی نجات کے موجب بن جائیں گے۔ یہ نام بنی آدم کے تمام اعمال پر بھاری ہیں جیسا کہ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے

کہ آپؐ نے فرمایا:

جب میری امت کو قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے لایا جائے گا اور ان کے اعمال کو میزان میں تولا جائے گا تو ان کی نیکیاں ان کے گناہوں پر غالب آجائیں گی۔ انبیاء سلفؑ کی امتیں سوال کریں گی پیغمبر اسلامؐ کی امت کے اعمال بہت کم تھے لیکن ان کی نیکیوں کا پلڑا کیوں بھاری ہے؟ تو

انبیاء سلفؑ جواب دیں گے کیونکہ یہ امت اپنے کلام کا آغاز خالق متعال کے تین ناموں سے کرتی تھی۔ اگر یہی تین نام میزان کے ایک پلڑے پر رکھے جائیں اور بنی آدم کے تمام حسنات وسیئات دوسرے پلڑے پر رکھے جائیں تو یہ پلڑا بھاری ہوگا۔ وہ تین نام (بسم) اللہ، الرحمن اور الرحیم ہیں۔(۱)

۲۔شیطان کی دوری کا موجب

جس کام میں بھی یہ آیت پڑھی جائے شیطان اس کام میں شریک نہیں ہوتا مثلاً کھانا کھاتے وقت اس آیت کے پڑھنے سے شیطان دور ہو جاتا ہے۔
جیسا کہ اہلبیت اطہار علیہم السلام سے روایت منقول ہے:

جو شخص کھانا کھاتے وقت بسم اللہ کہے شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوتا اور اگر کوئی شخص بسم اللہ کہے بغیر کھانا کھائے شیطان اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔(۲)

۳۔گناہوں کی بخشش کا ذریعہ

یہ آیت آخرت میں بھی نجات کی موجب ہے۔ اور دنیا میں بھی اس

---

(۱) منہج الصادقین ج ا ص ۹۹

(۲) منہج الصادقین ج ا ص ۹۹

آیت کے تکرار کرنے سے جو عادت بن جاتی ہے یہی عادت آخرت میں گناہوں کے محو ہونے اور جہنم کی آگ سے دوری کا باعث ہوگی۔ جیسا کہ پیغمبر عظیم الشان اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تین روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ:

پہلی روایت:

قیامت کے دن جب انسان کو حساب کتاب کے لیے لایا جائے گا اور اس کا اعمال نامہ گناہوں اور برائیوں سے پر ہوگا۔ جب یہ اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا اس وقت بھی وہ اپنی دنیوی عادت کے مطابق بسم اللہ الرحمن الرحیم زبان پر جاری کرے گا اس کے سبب وہ اعمال نامہ اسے سفید نظر آئے گا چنانچہ وہ فرشتوں سے سوال کرے گا کہ میرا اعمال نامہ تو سفید ہے اور اس میں کچھ نہیں لکھا ہوا۔ وہ جواب دیں گے بسم اللہ کی برکت سے تمام سیئات وخطیات محو ہو گئے ہیں۔(۱)

دوسری روایت:

جب قیامت کے دن کسی بندے کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دوزخ میں جائے اور وہ دوزخ کے کنارے پہنچ کر بسم اللہ الرحمن الرحیم کہے گا تو

---

(۱) منہج الصادقین ج۱ص۱۰۱

جہنم کی آگ اس سے ۷۰ ہزار سال دور ہو جائے گی۔(۲)

تیسری روایت:

إنّه إذا قال المعلّم للصّبی قل بسم الله الرّحمن الرّحيم فقال الصّبی بسم الله الرّحمن الرّحيم كتب الله برائة للصبی وبرائة لأبويه وبرائة للمعلّم

جب استاد بچے سے کہتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہو اور وہ کہے بسم اللہ الرحمن الرحیم تو خداوند متعال بچے، اس کے والدین اور استاد کو بخش دیتا ہے۔(۱)

---

(۱) جامع الاخبار، بصائر ج ۱ ص ۲۲۳ مجمع البیان ج ۱ ص ۹۰

دوسری آیت

﴿الحمد للہ ربّ العالمین﴾

تمام حمد وثناء اس خدا کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں مندرجہ ذیل چار بنیادی موضوعات اور چند ذیلی موضوعات ہیں۔

(۱) حمد الٰہی

(۲) تربیت الٰہی

(۳) جہان بینی

(۴) وحدت کلمہ

۱۔ حمد الٰہی

الف: اختصاص حمد

خالق متعال الحمد للہ رب العالمین کہہ کر اس حقیقت کو بشریت

کے لیے واضح اور آشکار کر رہا ہے کہ حمد الٰہی کا مفہوم اور اس کی حقیقت، ذات مقدس الٰہی سے مخصوص ہے۔ حمد وثناء کا اختصاص صرف ذات خداوندی کے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ اس کی ذات کمال مطلق ہے جو تمام عیوب ونقائص سے منزہ ہے لہذا وہ ذاتی لیاقت رکھتا ہے کہ ہر قسم کی حمد صرف اسی سے مختص ہو حمد اختیاری عمل پر ہوتی ہے۔ ربّ العالمین کے ید قدرت میں اختیار کل ہے لہذا حقیقی حمد کا واقعی استحقاق بھی وہی رکھتا ہے بلکہ وہ اپنی ذات، صفات، اور افعال کے حوالے سے ہر قسم کی حمد وتعریف کا حقدار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا ایسی تعریف کا حقدار نہیں ہے۔

قرآن مجید میں یہ پانچ سورتیں الحمد للہ سے شروع ہوتی ہیں فاتحہ، انعام، کہف، سبأ اور فاطر اور یہ بات حمد کی اہمیّت کو اجاگر کرتی ہے۔

ب. تعلیم حمد

بندوں کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے پالنے والے کی معرفت حاصل کریں۔ ربّ العالمین کی بے شمار اور لامتناہی نعمتیں ہی ہمیں اس کی شناخت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کیونکہ جب کسی انسان کو نعمت حاصل ہو تو وہ

فطری طور پر عطا کرنے والے کا شکر گزار ہوتا ہے شکریہ کا حق ادا کرنے کے لیے منعم اور محسن کی پہچان ضروری ہے۔

جب ہمیں پہچان ہو جائے کہ خدا کی ذات ہی تمام نعمتوں اور رحمتوں کو عطا کرنے والی ہے تو شکر ادا کرنے کا طریقہ کون سکھلائے؟ اسی لئے خداوند متعال اپنے پاک اور مقدّس کلام کی ابتداء ہی اس جملہ سے کر رہا ہے تاکہ اپنے بندوں کو سکھلائے کہ جب بھی تم میری عظیم نعمتوں کا شکر اداء کرنا چاہو تو میری حمد کرو اور جب حمد کرنا مقصود ہو تو کہو الحمد للہ رب العالمین اس طرح میری مکمل ترین حمد ہو جائے گی۔

اگر خداوند متعال حمد و شکر کا طریقہ نہ سکھلائے تو انسان ذاتی طور پر اس کمال مطلق کی تعریف کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔

۲۔ تربیت الٰہی

الف: خدائی پرورش

خداوند متعال رب العالمین سے یہ بیان فرما رہا ہے کہ تمام جہانوں اور موجودات کی تخلیق اور ایجاد کرنے والا قادر مطلق ہے۔ چونکہ اسی نے وجود

بخشتا ہے لہذا وہی بہتر پرورش کرسکتا ہے۔ وہی تمام موجودات کا ربّ اور پالنے والا ہے۔

کائنات وجود پانے کے بعد بھی ہمیشہ ربّ العالمین کی محتاج ہے۔ پرورش اور رشد کے تمام عوامل اسی نے پیدا کیے ہیں۔ تربیت اور پرورش دو قسم کی ہوتی ہے ایک تکوینی تربیت ہے اور ایک تشریعی تربیت ہے۔

ہمارا خالق دونوں لحاظ سے ہمارا ربّ ہے۔ ہماری خلقت میں بھی ہمیں پالنے والا وہی ہے اور تعلیم و تربیت میں بھی وہی ربّ ہے۔ وہی ہمیں راہ دکھلاتا ہے۔ اسی نے تمام مخلوقات کے تکامل اور ترقی کے تمام وسائل کا انتظام کیا ہے۔ پھر ان وسائل کے استعمال کا طریقہ بھی اسی نے سکھایا ہے۔

خالق متعال نے نہ صرف طبعیت اور جسمانی تربیت کا مکمل انتظام کیا ہے بلکہ اپنی مخلوق ناطقہ کے لیے روحانی اور اخلاقی تربیت کا بھی پورا اہتمام فرمایا ہے۔ اس امر کے لیے فطرت بشری میں ہدایت کی راہ پر چلنے کا جوہر رکھا ہے۔ صحیح راہ کی شناخت کے لیے عقل جیسی ممتاز نعمت عطا فرمائی ہے۔ چونکہ بشریت کو ارتقائی منازل طے کرنے کے لیے راہنما کی ضرورت تھی تو اس کا انتظام یوں کیا کہ انبیاء الٰہیؑ کو ہدایت بشری کے لیے مبعوث فرمایا اور آسمانی کتب نازل فرمائیں جس سے رشد و تکامل کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔

ب: دیگر ارباب کی نفی

خالق مطلق چونکہ ہر چیز کا مالک ہے۔ان کی تربیت بھی صرف وہی کر سکتا ہے۔ربّ حقیقی اور مطلق بھی وہی ہے تو کسی اور کا ربّ ہونا یا تربیت میں شریک ہونا اس حقیقت کے منافی ہے۔ اس آیت کے ذریعہ کائنات کی ہر چیز کی تربیت کو صرف خداوند متعال سے مختص کر کے بقیہ تمام تخیلی ارباب کی نفی کر دی گئی ہے۔اس طرح سے توحید و یگانگی کی بنیادی وجہ بیان کی ہے۔

۳۔ جہان بینی یعنی تصور کائنات

عالم سے مراد وہ جہان ہے جو ایک شمسی نظام اور اس میں موجود تمام سیارات سے تشکیل پاتا ہے سائنسی ترقی سے انسان نے بہت سے کہکشاں اور ہر کہکشاں میں متعدد شمسی نظام اور ہر شمسی نظام میں موجود مختلف سیاروں کا پتہ چلا لیا ہے البتہ سائنس کی ترقی سے بہت پہلے ہمارے معصومین علیہم السلام نے اس کی خبر دے رکھی تھی جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے:

إنّ اللّٰه قد خلق ألف ألف عالم وألف ألف آدم (۱)

---

(۱) خصال شیخ صدوق

بے شک اللہ نے ہزار ہزار (ایک ملین) جہان پیدا کیے اور ہزار ہزار آدم کو خلق فرمایا ہے۔

اس سے عالَمین یعنی بہت سے جہان کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات میں جتنے عالَم ہیں ان تمام کا خالق اور ربّ صرف خدا کی ذات ہے۔

عالَمین کے تذکرے سے مراد یہ ہے کہ کائنات کی وسعت، جہانوں کے تعدد، ان کی خلقت اور ان کی تربیت پر غور کیا جائے۔ ایک تصور کائنات یعنی جہان بینی اور کلی نظر پیدا ہو کہ وہ ذات، برتر و جامع کمالات ہے اس کی خالقیت اتنی وسعت رکھتی ہے کہ انسان ان کی جزئیات کو نہیں پا سکتا۔ اس ذات نے صرف تخلیق ہی نہیں کیا بلکہ تخلیق کے بعد ان کی تربیت کرنے والی ذات بھی وہی ہے۔ وہ ذات کائنات اور اس میں موجود تمام جہانوں، نظاموں، سیاروں، آسمانوں، زمینوں، جمادات، نباتات، حیوانات اور ملائک، جن اور انس نیز دیگر مخلوقات کی ان کے مناسب حال تدریجی طور پر تربیت کرتی ہے اور کمال کی منزل تک پہنچاتی ہے۔

اس سے عالمین کی تربیت پر ایک کلی نظر پیدا ہوتی ہے کہ کتنا بڑا اور پھیلا ہوا عمل ہے کہ خالق کے علاوہ اس کام کو کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ اسی لیے تمام حمد اور تعریفوں کو اسی ذات سے مخصوص کرنا ضروری ہے۔

۴۔ وحدت کلمہ

یوں ذات، صفات، خالقیت اور تربیت میں وحدانیت الٰہی معلوم ہو گئی۔ ہر روز نئے خدا اور ہر کام کے لیے علیحدہ علیحدہ خدا نیز ہر قبیلہ کیلئے الگ الگ خدا ہونے کی نفی کر دی گئی۔ یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آ گئی کہ وہ اس ایک جہان ہی کا خالق نہیں ہے بلکہ وہ ایسے بہت سے جہانوں کا خالق، مدبر اور پالنے والا ہے۔ اس سے ایک طرف سے ہر طرح کے شرک کا سد باب کیا اور دوسری طرف سے اتحاد عالمی کی ایک مستحکم بنیاد قائم کر دی تا کہ سب لوگ وحدت کلمہ کے ساتھ ترقی وکمال کے مدارج طے کرتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچیں۔ اگر چہ ابھی تک انسانیت تہذیب وتمدن کی کافی ترقی کے باوجود اس بنیاد پر کوئی مضبوط عمارت قائم نہیں کر سکی۔ جب تک اس اخوت کا سنگ بنیاد رکھنے والے دین اسلام اور کتاب (قرآن) کو عمومی طور پر تسلیم نہ کر لیا جائے اس وقت تک یہ عظیم مقصد حاصل نہ ہو گا، اس سلسلے میں قرآن کا وعدہ ہے کہ:

لیظہرہ علی الدین کلہ (۱)

---

(۱) سورۂ صف آیت ۹، سورۂ فتح آیت ۲۸ اور سورۂ توبہ آیت ۳۳

تاکہ اس دین کو ہر دین پر غلبہ عطا کرے۔

یہ وعدہ حتمی ہے جو پورا ہو کر رہے گا جب حضرت حجتؑ کا ظہور ہوگا۔ دنیا کی تمام بیتابیاں اور پریشانیاں اس وقت ختم ہو جائیں گی۔ ایمان، نظم اور اتحاد عالم کی نہایت ہی شاندار عمارت بنے گی۔ دنیا کے مضطربانہ اٹھتے ہوئے قدم آخر میں اس منزل پر پہنچ کر دم لیں گے۔ یوں اطمینان اور سکون کی فضا قائم ہو جائے گی۔

نوٹ: یہ آیت (الحمد للہ رب العالمین) مکمل طور پر قرآن میں چھ دفعہ ذکر ہوئی ہے۔

۱ سورۂ حمد میں ایک مکمل آیت ہے۔ ۲ سورۂ انعام کی آیت ۴۵ میں۔ ۳ سورۂ یونس کی آیت ۱۰ میں۔ ۴ سورۂ زمر کی آیت ۷۵ میں۔ ۵ سورۂ مؤمن کی آیت ۶۵ میں۔ ۶ سورۂ صافات کی آخری یعنی آیت ۱۸۲ کے بھی یہی الفاظ ہیں لیکن ایک واؤ کا اضافہ ہے۔

آیت کے امتیازات

اس آیت کی مندرجہ ذیل دو خصوصیتیں ہیں۔

ا۔ حمد کی جملہ اقسام کو شامل ہے

یہ آیت حمد کی تمام انوع و مراتب کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ خدا وند متعال کے جتنے اوصاف اور کمالات ہیں ان میں سے ہر کمال پر وہ لائق حمد ہے۔ اس کی جتنی نعمتیں اور آثار ہیں سب کے سب حمد الٰہی کے موارد ہیں۔ کسی انسان میں طاقت نہیں ہے کہ جس طرح اللہ تعالی حمد کا حقدار ہے اس طرح حمد الٰہی بجالائے۔

اس آیت میں خدا کی جامع اور مکمل حمد ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نقل فرماتے ہیں کہ میرے بابا کی سواری کھو گئی تو انہوں (امام محمد باقر علیہ السلام) نے فرمایا:

اگر خداوند متعال میری سواری مجھے لوٹا دے تو میں اس کی ایسی حمد کروں گا کہ جو خود اسے پسند آئے گی جب سواری مل گئی اور آپ اس پر سوار

ہوئے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا الحمد للّٰہ اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا اور پھر فرمایا:

ما تركت ولا أبقيت شيئاً جعلت جميع أنواع المحامد للّه عزّوجلّ فما من حمد إلّا وهو داخل فيما قلت (۱)

میں نے حمد خدا کی تمام اقسام میں سے کسی قسم کو نہیں چھوڑا۔ حمد کی جملہ اقسام میرے اس کلام میں داخل ہیں۔

ہم الحمد للّٰہ کی وضاحت میں چند جملے دعائے افتتاح کے بیان کرتے ہیں جو امام زمانہؑ (عج) نے اپنے خاص نائب ابو جعفر محمد بن عثمان کو تعلیم فرمائی تھی۔ (۲)

الحمد لله بجميع محامده كلّها، على جميع نعمه كلّها، الحمد لله الّذي لامضادّ له في ملكه، ولامنازع له في أمره، الحمد لله الّذي لا شريك له في خلقه ولاشبيه له في عظمته، الحمد لله الفاشي في الخلق أمره و حمده، الظاهر بالكرم مجده، الباسط بالجود يده، الذي لا تنقض خزائنه

---

(۱) البیان ص ۴۵۵، البرہان ج ۱ ص ۲۹ اور اصول کافی باب الشکر ص ۳۶۵

(۲) اقبال سید طاووس، دعائے افتتاح کی اسناد کے ضمن میں۔

ولا تزید کثرۃ العطاء الاّ جوداً وکرماً انّہ ھو العزیز الوھّاب (۳)

تمام حمد اللہ ہی کے لئے ہے اس کی تمام خوبیاں اور اسکی ساری نعمتوں کے ساتھ۔ تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی حکومت میں اس کا کوئی مخالف نہیں ہے۔ نہ ہی اسکے حکم میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا ہے۔ تمام حمد اس اللہ کیلئے ہے جس کی آفرینش میں کوئی اس کا ساجھی نہیں ہے۔ اس کی بڑائی میں کوئی اس جیسا نہیں ہے۔ تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کا حکم اور حمد پوری مخلوق میں آشکار ہے۔ اس کی شان اس کی بخشش کے ساتھ ظاہر ہے۔ بن مانگے دینے میں اسکا ہاتھ کھلا ہے۔ یہ وہی ہے جس کے خزانے کم نہیں ہوتے۔ کثرت کے ساتھ عطا کرنے کے باوجود اس کی بخشش وسخاوت میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ وہ زبردست عطا کرنے والا ہے۔

بہرحال پوری دعا ہی پروردگار عالم کی حمد پر مشتمل ہے۔ ہر قسم کی حمد کو انتہائی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

(۲) نماز میں پڑھنا سنت ہے۔

اس آیت کا حمد کے بعد نماز میں پڑھنا مستحب ہے۔ یہ اس آیت کی

---

(۳) دعائے افتتاح

خصوصیت ہے چونکہ با جماعت نماز میں سورۂ حمد اور بعد والی سورہ کا پڑھنا صرف پیش نماز کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ مقتدی صرف سنتا ہے۔ جب پیش نماز سورۂ حمد کی قرائت ختم کرتا ہے تو مقتدی کے لیے مستحب ہے وہ الحمد للہ ربّ العالمین کہے۔

جیسا کہ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

إذا كنت خلف إمام ففرغ من قرائة الفاتحة فقل أنت من خلفه الحمد لله رب العالمين۔

جب با جماعت نماز پڑھو اور پیش نماز سورہ فاتحہ پڑھ چکے تو الحمد للہ ربّ العالمین کہو۔

اسی طرح فرادی نماز میں بھی حمد کے بعد اس آیت کو پڑھنا سنت ہے جیسا کہ امام علیہ السلام کا اس بارے میں بھی ارشاد ہے:

فإذا قرأت الفاتحة ففرغت من قرائتها وأنت في الصلوة فقل الحمد لله ربّ العالمين

جب تم سورہ فاتحہ کو نماز میں قرائت کر چکو تو کہو الحمد للہ ربّ العالمین

البتہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے فرامین کے مطابق سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

دوسری آیت کے فضائل

اس آیت کی فضیلت میں یہی کافی ہے کہ خدائی نعمتوں کا شکرانہ اس کے ذریعے ادا ہوسکتا ہے۔

خداوند متعال کی بے پناہ نعمتوں پر شکر واجب ہے۔ شکر الٰہی ادا کرنا بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ چونکہ وہ کائنات کی وسعتوں میں موجود بے شمار نعمتوں کا احصاء کرنے سے قاصر ہے۔ تو شکر کیا اداء کرے گا؟ بلکہ ہر انسان کے وجود ہی کے اندر جتنی نعمتیں خالق نے ودیعت فرمائی ہیں انہی کو شمار کرنا طاقت بشری سے خارج ہے۔ تو پھر کیسے شکر اداء کیا جائے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

ما أنعم الله على عبد بنعمة صغرت وكبرت فقال الحمد لله إلاّ أدّى شكرها(۱)

خداوند متعال نے کوئی ایسی چھوٹی اور بڑی نعمت اپنے بندے کو عطا نہیں فرمائی مگر یہ کہ الحمد للہ کہنے سے اس نعمت کا شکر اداء ہو جائے۔

---

(۱) البیان ص ۴۵۵ اصول کافی باب الشکر ص ۳۵۶۔

تیسری آیت

﴿الرحمن الرحيم﴾

وہ سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر تقریباً پہلے بیان ہو چکی ہے لیکن ایک نکتہ کا یہاں ذکر کرنا مناسب ہے کہ رحمٰن سے مراد اسکی دنیا میں رحمت ہے اور رحیم سے اسکی اخروی رحمت مراد ہے۔

اسکا واضح برہان یہ ہے کہ لفظ الرّحمٰن، الحمد للہ ربّ العالمین کیساتھ متصل ہے اور یہ دنیا میں اسکے رحمٰن ہونے کو بتاتا ہے اور لفظ الرّحیم، مالک یوم الدین کیساتھ متصل ہے اور یہ اس کی اخروی رحمت پر دلالت کرتا ہے، یہ دونوں صفات منشاء الٰہی کے فیوض و برکات پر مشتمل ہے۔

تیسری آیت کی خصوصیات

اس آیت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے الفاظ اسی سورہ میں تکرار ہوئے ہیں اسی کے ضمن تین مفاہیم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

سب سے پہلی تکرار ہونے والی آیت

یہ قرآن مجید کی سب سے پہلی آیت ہے جس کے تمام الفاظ پہلی آیت میں ذکر ہو چکے ہیں۔ قرآن مجید میں کہیں بھی بے فائدہ تکرار نہیں ہوا بلکہ خاص معنی اور مفہوم کو بیان کرنے کیلئے تکراری الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یہاں تکرار کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

الف: استحقاق حمد

بسم اللہ میں الرحمن اور الرحیم کا تذکرہ امداد طلب کرنے کے ذیل میں تھا۔ یہاں استحقاق حمد کے لیے ہے۔ کیونکہ وہ ذات سرچشمہ رحمت ہے۔ اس نے ہمیں اپنی رحمت سے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ لہذا وہ ذات حق رکھتی ہے کہ اس کی حمد کی جائے گرچہ رحمت کے علاوہ اس کی عالمی تربیت اور دیگر تمام اوصاف کمال بھی اسی ذات کو مستحق حق گردانتی ہیں۔

ب: تربیت کی دلیل

یہاں رحمٰن اور رحیم میں خدائی تربیت کی دلیل موجود ہے کیونکہ وہی کائنات کا خالق اور ربّ ہے لیکن یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس کی یہ تخلیق اور تربیت کس بنیاد پر ہے؟ یہ واضح حقیقت ہے کہ وہ ذات ہر چیز سے بے نیاز ہے اور عالمین کی تربیت اپنی ضرورت کے لیے نہیں کرتا۔

اس کی وسیع اور دائمی رحمت کا تقاضا ہے کہ سب کو فیض پہنچائے۔ اپنے لطف وکرم اور رحم سے ان کی تربیت کرے۔ انہیں رشد وکمال کے راستے پر چلائے۔ آخرت میں بھی اپنے دامن عفو ورحمت میں جگہ عطاء فرمائے۔ ہماری تربیت اور بخشش سے اس ذات کو ذاتا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنی رحمت سے ہمیں نعمتیں عطاء فرماتا ہے۔ رحمت کی وجہ سے ہماری تربیت کرتا ہے۔

ج: حقیقی مالک اور مجازی مالک میں فرق

دنیوی مالک کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں بلکہ حقیقی اور اصلی مالک، ان کو وجود اور زندگی عطا کرنے والا پروردگار ہے۔ لیکن یہ دنیاوی مالک اپنی اس جھوٹی مالکیت کو جتلانے کے لئے اور اپنی انا اور خواہشات نفسانی کے تحت ہر قسم کے ظلم وستم، قتل وغارت اور بے راہ روی کو اپناتے ہیں۔

لہذا ربّ العالمین کے بعد الرحمن الرحیم کو لانا اس کی طرف

اشارہ کرتا ہے کہ وہ حقیقی مالک ہونے کے باوجود اپنے بندوں پر مہربانی ولطف وکرم کرتا ہے۔ اپنی رحمت کے سائے میں توبہ کرنے والے تمام خطا کاروں کو بخشش دیتا ہے۔

اسی لئے ارشاد الٰہی ہے:

قل یا عبادي الذین أسرفوا علی أنفسهم لا تقنطوا من رحمة الله إن الله یغفر الذنوب جمیعاً هو الغفور الرحیم(۱)

(پیغمبرؐ آپ) پیغام پہنچائیے کہ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے، رحمت خدا سے مایوس نہ ہونا۔ اللہ تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اور وہ یقیناً بخشنے والا اور مہربان ہے۔

---

(۱) زمر آیت ۵۳

چوتھی آیت

﴿مالک یوم الدین﴾

وہ خدا روز جزاء کا مالک ہے۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں دو بنیادی موضوعات میں چار ذیلی موضوعات کو

بیان کرتے ہیں۔

ا۔حاکمیت اعلیٰ

۲۔معاد

ا۔حاکمیت اعلیٰ

الف: دنیا میں اقتدار اعلیٰ

خداوند عالم زمان و مکان کی تمام حالتوں پر حاکم ہے۔اس کی حاکمیت تمام جہانوں پر محیط ہے۔ ہر چیز پر اس کا تسلط اور احاطہ ہے۔ جہاں ہستی کے لیے وہی ذات ہی حقیقی حاکم ہے۔ وہ اپنی حکومت میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔علی الاطلاق وہی حاکم اعلیٰ ہے۔ خداوند متعال کی تربیت اور پرورش فقط اس دنیا تک محدود نہیں ہے۔

ب: آخرت میں اقتدار اعلیٰ

یہاں خداوند متعال مالک یوم الدین کہہ کر روز جزاء کی حاکمیت

فقط اپنی ذات کے ساتھ ہی مخصوص کر رہا ہے اور آج تک کسی نے اس دن کی حاکمیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ جیسا کہ اس دنیا میں بھی لوگوں کی تربیت اور تدبیر کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے اسی طرح آخرت کی تدبیر اور حساب کتاب بھی اسی ذات کے ہاتھ میں ہوگا۔ ایک اور مقام پر خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

لمن الملک الیوم للہ الواحد القھّار (۱)

آج کس کی حکومت ہے؟ (جواب دیا جائیگا) صرف خدائے یگانہ اور قہار کی حکمرانی ہے۔

۲۔ معاد

الف:۔ آخرت پر ایمان

خالق متعال کی ربوبیت اور رحمانیت کا تقاضا یہ ہے کہ جزاء اور سزا کا ایک مکمل نظام ہو، خدا نے انسان کو ترقی اور کمال کے مراحل طے کرنے کے لیے راہ دکھلائی۔ اس کی تربیت کا انتظام کیا۔ اسے شعور اور اختیار عطا فرمایا۔ اب اگر انسان صحیح راہ کا انتخاب کرے جو کہ اطاعت اور ایمان ہے۔ تو وہ جزا پائے گا۔ لیکن اگر بری راہ یعنی کفر و معصیت کو اختیار کرے تو وہ سزا کا مستحق

---

(۱) مؤمن آیت ۱۶

ہے۔اس آیت کے ذریعے خداوند متعال انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کررہا ہے کہ تمام لوگوں کا پلٹنا اسی کیطرف ہے۔یہی معاد ہے۔

ان کے تمام اعمال وامور، قیامت کے دن خداوند متعال کی حکومت اور سلطنت میں پیش کیے جائیں گے۔وہیں سزاوجزاء کا تعین ہوگا۔اس بنا پر فقط اسی سے امید رکھنی چاہیے۔اسی سے ڈرنا چاہیے۔اس ذات کی مخالفت اور نافرمانی سے بچنا چاہیے۔

معاد پر ایمان انسان کو غلط راستے سے بچاتا ہے اور اس کے کردار اور اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے۔اس بنا پر دین کی ایک بنیادی اصل معاد اور قیامت ہے۔

ب:روز حساب

قرآن مجید میں عالم آخرت کو مختلف الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، یوم الدین ،یوم الحساب اور دوسری تعبیریں استعمال ہوئی ہیں اور یوم دین سے مراد روز حساب ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ مالک یوم الدین سے کیا مراد ہے؟ آپؑ نے ارشاد فرمایا:اس سے مراد یوم الحساب ہے۔(۱)

---

(۱) مجمع البیان ذیل آیت

یہ وہ دن ہے جس دن تمام پوشیدہ حقائق واضح ہو جائیں گے۔ تمام الٰہی وعدے پورے ہو جائیں گے۔ ہر چھوٹے اور بڑے عمل کو عدالت الٰہی کے ترازو میں پرکھا جائے گا۔ ہر شخص کی نیکیوں اور اچھائیوں، اسی طرح گناہوں اور برائیوں کا حساب وکتاب ہوگا۔ حاکم مطلق کی بارگاہ میں ہر ظلم وزیادتی کے خلاف شکایت کی جائیگی۔ حقدار کو اس کا حق ملے گا۔ کسی کو مایوسی نہ ہوگی۔ ہر عمل کا عدل وانصاف کے ساتھ حساب ہوگا۔ جب نیک اور برے افراد علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے تو ان کا اجر وعذاب معیّن ہوگا۔ جو اجر اور ثواب پانے والے ہونگے انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جو لوگ سزا اور عذاب کے مستحق ہونگے انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائیگا۔

پانچویں آیت

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور بس تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

تفسیر

اس آیت میں بہت سے تفسیری مطالب ہیں اور اس پر علیحدہ ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے مگر اختصار اور سادگی کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف تین بنیادی موضوعات کے ضمن میں تبرّکاً چودہ کی مبارک تعداد میں ذیلی موضوعات کو پیش کرتے ہیں۔

ا۔عبادت

الف: حق کی ادائیگی

گذشتہ آیات میں اوصاف خداوندی کا تذکرہ ہوا ہے۔اس ذات کی شناخت اور معرفت کے مراحل سے گزرتے ہوئے یہ علم ہوا کہ وہ ذات ہماری خلقت کے بعد، ہماری تربیت اور ہدایت کے تمام اسباب مہیا کرتی ہے۔اس دنیا میں اس کی رحمت اور لطف وکرم ہم پر سایہ فگن ہے۔آخرت میں اس کی حاکمیت مطلقہ کے باوجود اس کی رحمت مومنین کے شامل حال ہے۔اس وجہ سے برتر وبالا ذات کے بہت سے حقوق ہماری گردن پر ہیں۔جن کی صحیح

معنوں میں ادائیگی ہمارے بس میں نہیں ہے۔ان میں سے ایک حق منعم کا شکر ادا کرنا ہے۔ شکر کو حمد خداوندی کے ذریعہ اداء کیا جاتا ہے۔اسی طرح ایک حق یہ ہے کہ ہم اپنے رحیم وکریم مالک کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں اس کا واضح اظہار عبادت خداوندی ہے۔

مزید یہ کہ جب کسی سے کوئی حاجت طلب کی جائے تو اس کالازمہ یہ ہے کہ اس کے حقوق اداء کیے جائیں۔ جو انسان اپنی ذمہ داری اداء نہیں کرتا وہ اس کی عنایت کا حق دار نہیں ہوتا۔

اس مقام پر بیان ہونے والی آیتیں بتاتی ہیں کہ ہمیں کس طرح بارگاہ خداوندی سے حاجات طلب کرنی چاہیے۔ ان آیات میں اس کے حق کی ادائیگی کا اقرار کیا گیا ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے حاجات طلب کرتے ہیں۔

ب: وہی ذات لائق عبادت ہے

خداوندمتعال بے پناہ کمالات کا مالک ہے۔اس کی ذات کمال مطلق ہے۔اس کی ہر صفت بھی کمال ہی کمال ہے۔ وہی رب بھی ہے اور مالک بھی اسی لیے وہ ذات بندگی اور پرستش کی حق دار ہے۔ گویا اس کی عبادت کا موجب صرف اور صرف اس کی ذات ہے کوئی اور شئی نہیں ہے۔اسی لیے مولا

علی علیہ السلام کا فرمان ہے۔

إلٰهي وجدتك أهلاً للعبادة فعبدتك (۱)

بارالہا میں نے تجھے بندگی اور عبادت کے لائق پایا، اسی لیے تیری عبادت کرتا ہوں۔

جب وہ ذات ہی بندگی کی لیاقت رکھتی ہے تو پھر عبادت بھی فقط اسی کی قربت کی نیت سے ہونی چاہیے۔

ج: انحصار بندگی

ان آیات سے جب اس ذات کا عبادت کے لائق ہونا واضح ہو گیا تو اب ایک اور موضوع کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ عبادت فقط اسی ذات میں منحصر ہے۔اس کے علاوہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

عقل وفطرت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ جب وہی ذات خالقِ کل اور مالکِ حقیقی ہے تو پھر صرف اسی کی اطاعت کی جائے۔ جب ہم اسی کے بندے ہیں تو معبود بھی اسی کو ہونا چاہیے۔لہذا خداوند متعال کے علاوہ کسی کی عبادت، سلب آزادی اور غلامی کے مترادف ہے۔لیکن اگر انسان دوسروں کی عبودیت اور نفس امّارہ اور ہوا اور ہوس کی غلامی سے آزاد ہو جائے اور فقط

---

(۱) بصائر جلد ۱ص ۳۰۴

اور فقط خدا کی عبادت پر انحصار کرے تو اس کا مستحق ہوگا کہ خود کو خدا کا بندہ کہے۔ کیونکہ اسی کی بندگی میں عزت ہے اور دنیاوی طاقتوں اور طاغوتوں کے سامنے جھکنے میں ذلت ہے۔

بہر حال قرآن مجید کی یہ آیت صاحبان ایمان کے لیے روحی لحاظ سے علو کو پیش کرتی ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرے۔ اپنی احتیاج اسی کے سامنے پیش کرے۔ اس کے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے۔ اس کے علاوہ کسی پر اعتماد اور توکل نہ کرے۔ کسی کو خدا کا شریک قرار نہ دے۔ خدا کی سلطنت کے مقابلہ میں کسی کی حاکمیت کو محبوب نہ جانے۔ کیونکہ خداوند متعال کا حتمی فیصلہ یہ ہے کہ:

وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاه (۱)

آپ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا۔

دین کا حکم بھی یہی ہے کہ ہمیں شرک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ شرک در عبادت واطاعت بھی انسان کو دائرہ توحید سے خارج کر دیتا ہے۔ نیز اس مطلب کی طرف بھی متوجہ رہنا چاہیے کہ کائنات کی ہر چیز خداوند متعال کی مطیع

---

(۱) اسراء آیت ۲۳

ہے اور اس کی عبادت کرتی ہے۔ اس مقام پر خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

إن كل من في السماوات والأرض إلا آتي الرحمن عبداً (۱)

زمین و آسمان میں ہر چیز خدا کا بندہ اور (اسکی) فرمانبردار ہے۔

خداوند متعال کی تمام مخلوقات میں صرف انسان اور جن ہی اس کی نافرمانی اور سرکشی کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں عبادت کے لیے خلق کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون (۲)

اور جن وانس کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ یہاں پر یہ واضح ہوگیا کہ عبادت و پرستش صرف ذات الہی کے ساتھ مختص ہے۔ غیر اللہ کی عبادت جس صورت اور جس طرز فکر سے ہو، شرک ہے۔ کیونکہ جو شخص غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے تو وہ اسے معبود سمجھ بیٹھتا ہے۔ جو معبود حقیقی کے علاوہ کسی اور کو معبود سمجھے وہ کافر اور مشرک ہے۔ خدا پرست اور اہل توحید اسی عقیدہ کی وجہ سے مشرک اور غیر موحد لوگوں سے ممتاز ہیں۔

---

(۱) آیت (۲) آیت

د: خضوع وخشوع

اس بات میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مخلوق کو خدا کی اطاعت کے ساتھ ساتھ خضوع وخشوع بھی کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ ذات اس قدر عظیم ہے کہ اس کے مقابلے میں ہر چیز ہیچ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اللہ اکبر کہہ کر اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں۔ اس کے سامنے اپنی ذلّت اور بندگی کا اظہار ہمارے لئے ضروری ہے۔ یہ ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ہے جس پر عقل اور شریعت دونوں شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ کسی استدلال اور برہان کی ضرورت نہیں ہے۔

عبادات میں خضوع وخشوع انسان کے مقام کی بلندی کا موجب بنتا ہے۔ بندہ کی اسی میں عزت ہے کہ بندگی میں کمال پیدا کرے۔ یہ کمال صرف خشوع وخضوع میں مضمر ہے۔ اس سے بڑا فخر اور بڑی عزت کوئی نہیں ہے کہ انسان غنی مطلق کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو۔ جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

إلٰهي كفاني فخراً أن تكون لي ربّاً وكفاني عزّاً أن أكون لك عبداً(۱)

---

(۱) بصائر جلد ۱، ص ۲۹۶

پروردگارا مجھے فخر کیلئے یہی کافی ہے کہ تو میرا ربّ ہے اور میرے لئے یہ بہت بڑی عزت ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔

۵: عبادت خدا کی مرضی سے ہو

عبادت خداوند متعال کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے۔ کیونکہ عبادت تقّرب خداوندی کے لئے ہوتی ہے اس لیے اسے اس کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے خواہ خاص حکم سے ہو یا عام حکم دیا گیا ہو۔ اسے اپنے وہم وگمان اور مرضی کے مطابق بجا نہیں لانا چاہیے۔ کیونکہ خداوند متعال تمام مصالح اور نقصانات سے آگاہ ہے اور انسانی عقل ان پر مکمل احاطہ نہیں رکھ سکتی لہذا انسان خود سے کسی بھی عبادت کا صحیح طریقہ ایجاد نہیں کرسکتا ہے۔ لہذا عبادت اور اطاعت کا صحیح طریقہ وہی ذات معین کرسکتی ہے۔ اور اس کے حکم اور اجازت کے بغیر کوئی عبادت خدا کی عبادت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ وہ ہوا وہوس اور تخیل کی عبادت ہوگی۔

اس سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

قال إبليس :ربّ اعفني من السّجود لآدم وأنا أعبدك عبادة لا يعبدكها ملك مقرّب ولا نبي مرسل فقال جلّ جلاله لا حاجة لي في عبادتك إنّما عبادتي من حيث أريد لا من حيث تريد۔

جب شیطان نے کہا بارالہا! اگر مجھے آدم کو سجدہ کرنے سے معاف کر دو تو میں تمہاری ایسی عبادت کروں گا جو کسی مقرب فرشتے اور مرسل نبی نے نہ کی ہوگی۔ اس وقت اللہ جل جلالہ نے فرمایا: مجھے تمہاری عبادت کی کوئی حاجت نہیں۔ میری عبادت وہ ہے جو میری مرضی کے مطابق ہو نہ کہ تیری مرضی کے مطابق ہو۔(۱)

و: عبادات کی شرائط اور اقسام

خدا کی عبادت تبھی خالص ہو سکتی جب انسان اس کی ذات پر یقین کامل رکھتا ہو اور دوسرے تمام اسلامی اصولوں کا بھی معترف ہو کیونکہ عبادت ان اصولوں کی فرع ہے خداوند متعال کی حمد و ثنا، اس کی ذات کی عظمت اور یوم قیامت کے حساب کتاب جیسے مفاہیم جب انسان کی روح میں سرایت کر جائیں تو یہ انسان کے عقیدے کے استحکام کا موجب ہیں۔

عبادت کی تکمیل بھی اسی سے مشروط ہے کہ انسان معرفت پروردگار، عقیدہ کی درستی، اخلاص و ایمان سے عبادت کو بجالائے اور مقام بندگی میں خود کو اس کے حضور میں سمجھے اور خدا کا خالص بندہ کر اس کی بارگاہ میں جائے اور دنیا، لذات، خواہشات و شہوات اور دنیا داروں سے بریدہ ہو کر فقط اس کی

---

(۱) البیان ص ۵۲۵ اور الصافی ج ۱ ص ۱۱۶

عبادت کرے اور عبادت مختلف طرح سے کی جاتی ہے۔

۱۔ کبھی انسان اس لئے عبادت کرتا ہے تا کہ اسے اجر اور ثواب ملے یعنی خدا کے احسان اور وعدہ کے لالچ میں عبادت کرتا ہے جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

ومن يطع الله ورسوله يدخله جنات تجري من تحتها الأنهار (۱)

جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور فرمایا:

وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات لهم مغفرة وأجر عظيم (۲)

اللہ نے صاحبان ایمان، نیک عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

۲۔ کبھی انسان جہنم کے عقاب وعذاب کے خوف کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا:

---

(۱) نساء آیت ۱۳

(۲) مائدہ آیت ۹

إني أخاف إن عصيت ربّي عذاب يوم عظيم (۱)

اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

۳۔ کبھی انسان اللہ کی عبادت اور پرستش اس لئے کرتا ہے کیونکہ وہی لائق عبادت ہے اور یہ عبادت اولیاء خدا کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں

الٰهي ما عبدتك خوفاً من عقابك ولا طمعاً في ثوابك ولكن وجدتك أهلاً للعبادة فعبدتك (۲)

خدایا میری عبادت تیرے عذاب کے خوف، اور ثواب کے طمع ولالچ میں نہیں ہے بلکہ میں تیری عبادت اس لئے کرتا ہوں کہ تو عبادت کے لائق ہے۔

ہر شخص اپنی معرفت اور ظرف کے مطابق عبادت کرتا ہے۔ جتنی معرفت ہو اتنی ہی عبادت بجالاتا ہے۔ اسی لیے حضرت امام حسین علیہ السلام عبادت کی تین قسمیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

---

(۱) یونس آیت ۱۵

(۲) بصائر ج ۱ ص ۳۰۴

قوم عبدوا الله عزّوجلّ خوفاً فتلك عبادة العبيد، وقوم عبدوا الله تبارك وتعالٰى طلب الثواب فتلك عبادة الأجراء وقوم عبدوا الله عزّوجل حبّاً له فتلك عبادة الأحرار وهي أفضل العبادة(۱)

ایک قوم اللہ تبارک وتعالی کی عبادت جہنم کے خوف کی وجہ سے کرتی ہے۔ یہ غلاموں کی سی عبادت ہے۔ ایک گروہ اللہ کی عبادت ثواب حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے۔ یہ اجیر کی عبادت اور کاروباری عبادت ہے۔ کچھ لوگ خدا کی محبت میں اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی آزاد بندوں کی عبادت ہے۔ بہترین عبادت یہی ہے۔

جو لوگ اللہ کی محبت میں عبادت بجالاتے ہیں ان کے لئے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

قل إن كنتم تحبّون الله فاتبعوني يحببكم الله (۲)

اے رسول کہہ دیجیے اگر تم اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

---

(۱) بصائر ج ۱ ص ۳۰۴

(۲) آل عمران آیت ۳۱

ز: احتیاج عبد

انسان ایک محتاج موجود ہے۔ وہ بذات خود کسی چیز کا خالق اور مالک نہیں ہے۔ بلکہ عبد ہر چیز میں خالق کا محتاج ہے۔ خالق کسی طرح کی کوئی احتیاج نہیں رکھتا ہے۔ انسان کا اپنا وجود بھی اسی ذات کی عطاء ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی بھی وجود دینے کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ انسان اپنی تمام زندگی میں خدا کی مرضی کے بغیر کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتا۔ لہذا تمام عمر ہر امر میں اس ذات کا محتاج ہے۔ مادیات میں بھی محتاج ہے۔ معنویات میں بھی خدا کی مدد اور توفیق کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ عبادت بھی انسان کی ایک ضرورت ہے۔ چونکہ دین انسان کی فلاح وسعادت کے لئے ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے ہی یہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ لہذا عبادت کو انسان اپنی ہی بہتری کے لئے انجام دیتا ہے۔ خدا کی ذات کو عبد کی عبادت کا کوئی فائدہ اور ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

يا أيها الناس أنتم الفقراء إلى الله والله هو الغني الحميد(۱)

اے لوگو! تم سب خدا کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز ہے اور قابل حمد وثناء

---

(۱) فاطر آیت ۱۵ نیز سورۂ محمد کی آخری آیت میں بھی یہ مفہوم موجود ہے۔

ہے۔

اب اس مقام پر محتاج انسان اپنی ذات اور تشخص کو ختم کرتے ہوئے کہتا ہے ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جمع کی ضمیر اس لیے استعمال کی ہے کہ مفرد ضمیر یعنی ''میں'' کہنے میں انائیت کا شائبہ ہوتا ہے۔ مقام بندگی میں جب ''ہم'' کہا جاتا ہے تو اس کا یہ مقصد ہوتا ہے میں ناچیز اور محتاج ہوں اور اس قابل ہی نہیں ہوں کہ اپنی ذات اور انفرادیت کا اظہار کرسکوں۔ مقام عبادت اور طلب میں ناداری اور نیاز مندی کا اظہار ضروری ہے۔

اللہ تعالی بے نیاز مطلق ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس کی ضرورت نہیں بن سکتی ہے۔ ضرورت اور احتیاج کمال کے منافی ہوتی ہے۔ جن وانس کی عبادت کی خدا کو ذرہ بھر ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اگر کائنات میں ایک فرد بھی خدا کو نہ مانتا ہو۔ اس کی عبادت کرنے والا کوئی نہ ہو۔ تب بھی خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے کمال میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوسکتی ہے۔

جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

وقال موسى إن تكفروا أنتم ومن في الأرض جميعاً فإن الله لغني حميد (۱)

---

(۱) ابراھیم آیت ۸

اور حضرت موسیٰؑ نے (بنی اسرائیل سے) کہا: اگر تم سب اور بروئے زمین کے تمام لوگ بھی کافر ہو جائیں (تب بھی خدا کی خدائی پر کوئی آنچ نہیں آئے گی) بے شک اللہ بے نیاز اور حمد کے لائق ہے۔

انسان عبادت بھی خدا کی مدد کے بغیر انجام نہیں دے سکتا۔ بندگی اور اطاعت کے تمام مراحل میں اس کا محتاج ہے۔ اسی لئے عبادت اور بندگی میں توفیق الٰہی اور استعانت طلب کی جاتی ہے۔ عبادت کے شروع کرنے میں بھی خداوند متعال کی استعانت ضروری ہے۔ شیطان انسان کو بندگی اور اطاعت کرنے سے روکتا ہے۔ مختلف حیلوں سے موانع ایجاد کرتا رہتا ہے۔ جب انسان مصمّم ارادے کے ساتھ خدا سے مدد طلب کرتا ہے۔ تب الٰہی توفیق شامل حال ہو جاتی ہے۔ جب ہی وہ عبادت کا آغاز کرتا ہے۔ شیطان اپنے اس پہلے مرحلہ میں ناکام ہونے کے بعد اب دوران عبادت اس میں خلل ڈالنے اور بھٹکانے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی لیے انسان عبادت کو بجالانے اور اس میں اخلاص اور حضور قلب رکھنے میں خدا کی طرف محتاج ہے۔ اسے مدد اور توفیق الٰہی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عبادت کے آغاز، اس کے کمال اور اس کی تکمیل فقط خدا کے لطف و کرم سے ہو سکتی ہے۔

نتیجہ یہ کہ انسان ہر سانس میں اس غنی مطلق کا محتاج ہے۔ دنیا و آخرت

کے تمام امور خداوند متعال کی مدد کے بغیر انجام نہیں پا سکتے۔ خداوند متعال کسی بھی امر میں کسی بھی چیز کا محتاج نہیں ہے۔

ح: عبادت اختیاری عمل ہے

یہ آیت اس بات کی طرف متوجہ کر رہی ہے کہ عبادت بندہ کا اختیاری فعل ہے۔ خداوند متعال نے انسانوں کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ اگر بندگی اور فرمانبرداری سے خداوند متعال کی اطاعت اور عبادت میں زندگی گزارے تو اس کی آخرت سنور جائے گی۔ اگر وہ نافرمانی کرتے ہوئے کفر کی زندگی اختیار کرے تو عذاب شدید کا مستحق ہوگا۔

مسلمان اپنی عبادت اختیار سے انجام دیتا ہے۔ لیکن اس عبادت کے کمال اور تکمیل پر اس کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ ثواب اور اجر اخروی، صحیح اور کامل عبادت پر ہی عطا ہوتا ہے۔ اسی لیے استعانت طلب کی جاتی ہے۔(۱)

اس آیت کریمہ میں عبادت کو عبد کا فعل کہا ہے۔ استعانت اور مدد کرنا خدا کا فعل ہے۔ خدا کے فعل پر انسان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

---

(۱) البتہ بعض فرقے اس معاملے میں اختلاف کرتے ہیں اور بزرگان دین کی طرف سے اس جبر و تفویض کے مسئلہ پر کافی پیچیدہ بحثیں بھی کی جا چکی ہیں اور غلط نظریات کا جواب دیا جا چکا ہے۔

ہاں اگر انسان اطاعت اور بندگی میں ایسے عالی اور بلند مرتبہ پر فائز ہو جائے کہ قرب الہی کے عظیم درجہ کا حامل ہو جائے تو پھر وہ خود خدا کی مرضی بن جاتا ہے۔ یہ مقام نہایت ہی خاص ہستیوں کا نصیب ہے۔

اگر انسان خدا کی اطاعت اور بندگی کو اختیار نہیں کرتا تو وہ اپنی ہوا اور ہوس کا بندہ ہے۔ ہوس اور ہوائے نفس کی غلامی اختیار کرتا ہے۔ وہ غیر خدا کی پرستش کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمان ربّ العزّت ہے:

﴿أرأيت من اتخذ إلهه هواه﴾ (۱)

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو اپنی ہوا و ہوس کو اپنا خدا بناتا ہے۔

اگر انسان خدا کی اطاعت اور بندگی کو اختیار کرے اور "نعبد" کہنے میں مخلص اور سچا ہو تو اس تکبر اور غرور کی نفی کرتا ہے۔

عبادت انسان کو اچھائی کی راہ دکھلاتی ہے۔ تمام برائیوں سے دور کر دیتی ہے۔ چونکہ جب انسان بندگی کو تسلیم کر لیتا ہے تو پھر سر اٹھانے اور نافرمانی کرنے کی نفی کرتا ہے۔ راہ نجات پر گامزن ہوتے ہوئے سعادت اخروی کو پا لیتا ہے۔

---

(۱) فرقان آیت ۴۳

ط: اصل خدا ہے

ذات خداوند چونکہ اصل اور ہر چیز پر مقدم ہے اسی لیے ایاک کو مقدم کیا ہے۔ نعبد اور نستعین کو بعد میں ذکر کیا ہے۔ چونکہ عبادت و استعانت ذات خدا پر فرع ہے اور اللہ ہر چیز سے پہلے اور مقدم ہے جیسا کہ مولائے کائنات فرماتے ہیں:

ما رأیت شیئاً إلاّ وقد رأیت اللّٰہ قبلہ

میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ مگر یہ کہ خدا کو اس سے پہلے پایا۔

یعنی خدائے متعال کی ذات ہر چیز پر مقدم ہے، مقصد اصلی ذات خداوندی ہے۔ عبادت اسی ذات کے قرب کا ذریعہ ہے نہ کہ مقصد ہے۔ لہذا عبادت پر بھی مقدم ہے اسی طرح استعانت پر بھی مقدم ہے۔

نیز ایاک کو مقدم کرنے میں حصر عبادت اور حصر استعانت کا مفہوم بھی بیان ہو رہا ہے یعنی یہ کہ صرف تیری ذات کی عبادت کرتے ہیں اور صرف تیری ذات سے مدد مانگتے ہیں۔

ی: عبادت کیوں مقدم ہے؟

عبادت کو استعانت پر اس لیے مقدم کیا ہے کہ عبادت مطلوب خداوندی ہے اور استعانت عبد کی طلب ہے۔ عبد کی طلب کا ذریعہ بھی عبادت

ہے۔ عبادت اور اطاعت واجب ہے۔ اس کی تکمیل گر چہ استعانت ہی سے ہو گی لیکن اسے انجام دینا عبد کا اختیاری فعل ہے۔

لہذا عبد کہتا ہے کہ: ''ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تم سے مدد چاہتے ہیں'' تا کہ ہماری عبادت تکمیل پائے اور عبادت کے ذریعہ تم سے مدد چاہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔ اس طرح تیرے قرب کے طلب گار ہیں۔ تعلق اور تقرب عبادت ہی سے متحقق ہو سکتا ہے۔

نیز کلام کی ہم آہنگی اور خوبصورتی بھی اسی میں ہے کہ ایاك نستعین بعد میں آئے تا کہ آیات کے اختتام میں یکسانیت پیدا ہو۔

ک: لطف حضور

ادب کا تقاضا ہے کہ اس بلند و بالا ذات سے تدریجاً قرب پیدا کیا جائے۔ اس سورہ میں نام سے آغاز کیا۔ پھر ذات کا ذکر کیا۔ اس کے بعد مختلف اوصاف کا تذکرہ کیا۔ معرفت خداوندی کے مراحل طے کیے۔ اس طرح درجہ بدرجہ تعلق پیدا کیا جا رہا ہے اللہ، رب، الرحمن، الرحیم اور مالك کہنے کے بعد اب عبد اپنا انداز گفتگو تبدیل کر رہا ہے۔ اپنے آپ کو خدائے برتر کے حضور اور اسکی بارگاہ میں محسوس کر رہا ہے۔

اسی لیے پہلے غیبت کے الفاظ استعمال کرتا رہا ہے۔ اب مخاطب اور

حاضر کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ صرف آپ کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر جب بارگاہ میں گفتگو کا شرف پالیا تو اب عبد مزید قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی گزارشات کو پیش کرتے ہوئے استعانت کا طلب گار ہوتا ہے۔ بعد والی آیات میں اپنی بنیادی دعا کو طلب کرتا ہے چونکہ حضور میں پہنچ کر درخواست جلدی قبول ہوتی ہے۔

نماز میں جب انسان اس سورہ کو پڑھتا ہے تو وہ روحانی پرواز اور معراج (۱) کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچتا ہے اس وقت اس کے لئے یہ نقطہ عروج ہے۔ یہاں تعلق اور قرب الٰہی کا مقام ہے۔ لہذا اس کے بعد دعا کرتا ہے۔ یعنی روحانی پرواز حمد، تعلق وقرب اور درخواست کے تینوں مراحل پر بھی مشتمل ہے۔

۲۔ وحدت کلمہ

اس آیت مبارکہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے وحدت اور یگانگی سے اپنے امور بجالائیں۔ اتحاد کے ساتھ خدا کی اطاعت اور بندگی میں زندگی گزاریں۔ اپنی عبادات میں بھی وحدت کو ملحوظ

---

(۱) جیسا کہ ایک مشہور اور معروف حدیث میں ہے کہ الصلاۃ معراج المؤمن نماز مومن کی معراج ہے۔

رکھیں۔ جیسے اجتماعی عبادات مانند حج، نماز جماعت، نماز جمعہ اور جہاد وغیرہ میں ضروری ہے۔

سورۂ حمد چونکہ نماز کا لازمی جزء ہے اور جب بندہ نماز میں یہ جملہ کہتا ہے تو اپنے آپ کو جماعت اور اجتماع میں شمار کرتے ہوئے نعبد اور نستعین کہتا ہے۔

ہر قسم کی انفرادیت، علیحدگی، گوشہ نشینی اور ہر قسم کی ایسی دوسری چیزیں قرآن اور روح اسلام کی منافی ہیں اور عبادت تو خاص طور پر اجتماعی پہلو رکھتی ہے اور مخصوصا نماز کی بہترین حالت جماعت کی صورت میں ہے۔ اذان اور اقامت سے لے کر اختتام نماز یعنی السلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ کہنے تک جماعت اور اجتماع کی ضرورت کو بیان کیا جاتا ہے۔ گرچہ انفرادی نماز بھی صحیح ہے لیکن یہ دوسرے درجے کی عبادت ہے۔ اجتماعی عبادت اور اجتماعی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ اس کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

۳۔ استعانت

الف: ضرورت استعانت

انسان دنیا میں بہت سی قوتوں سے نبرد آزما ہے۔ کچھ بیرونی قوتیں ہیں، کچھ انسان کی اندرونی قوتیں ہیں جو اسے تباہ و برباد کرنا چاہتی ہیں۔

بندگی اور اطاعت میں بھی بہت سی قوتیں انسان کو انحراف، خود پسندی، ریاکاری، سستی اور ایسے دیگر امور میں مبتلا کرسکتی ہیں۔ جیسا کہ شیطان نے بھی انسانوں کو گمراہ کرنے کی کی قسم اٹھا رکھی ہے۔

نفس امارہ بھی برائیوں کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ تو اس مقام پر عبد کو ایک طاقتور اور قادر مددگار کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ اس لیے وہ خدا سے مدد مانگتا ہے۔ خود کو پروردگار کے سایہ حمایت کے سپرد کرتا ہے۔ جو انسان نماز میں بار بار اس کا تذکرہ کرتا ہو اس کا ایمان، خدا کی بندگی کا اعتراف اور اسی سے مدد مانگنا ہو تو وہ پھر کسی بھی طاقت سے نہیں گھبراتا۔ ثابت قدمی کے ساتھ اطاعت اور بندگی کے راستے پر گامزن رہتا ہے۔ کسی دوسری قوت کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔ مادیات کی کشش سے دھوکا نہیں کھاتا۔ یوں وہ اپنی حیات و ممات کو خدا کے لئے قرار دیتا ہے۔

ب: انحصار استعانت

خداوند متعال چونکہ قادر مطلق ہے اور کائنات کی ہر طاقت اور قوت پر حاوی ہے لہذا صرف وہی ذات ہے جو ہر معاملہ میں مددگار ہو سکتی ہے۔ اسی لئے صرف اسی ذات سے مانگنی چاہیے۔ اس ذات کے علاوہ کسی دیگر قوت کی مدد ناقص ہوگی مگر یہ کہ خداوند متعال خود کسی کو خصوصی طور پر مددگار کامل

بنادے۔اب اگر انسان اس سے مدد لے تو یہ بھی خدا کی عطا کردہ قوت کی مدد ہوگی۔

خدا کی ذات "کن فیکون" بلکہ اس سے بالاتر طاقت ہے۔ لہذا جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرمائے تو دنیا کی کسی طاقت کو پر مارنے کی مجال نہ ہوگی۔ ہر قوت دم توڑ دے گی اسی لئے انسان اپنے تمام امور میں اسی ذات سے مدد مانگتا ہے۔ تکمیل ایمان وعبادت میں بھی اس کی مدد کا محتاج ہے۔

اگر کوئی انسان غفلت میں زندگی گذار رہا ہو اور خدا کی طرف سے اس کی توجہ ہٹ جائے گر چہ یہ بہت بڑی بدبختی ہے لیکن یہ انسان جب کسی بڑی مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور دنیا کی ہر طاقت سے مایوس ہو جاتا ہے تو پھر فقط اور فقط ایک ہی طاقت ہے کہ جس سے مدد مانگی جا سکتی ہے اور وہ خداوند متعال کی ذات ہے۔

پانچویں آیت کے خصوصیات

اس آیت کے خصوصیات میں کچھ گہرے معانی ہیں ہم اس پانچویں آیت کے پانچ خصوصیات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اولین تکرار لفظ

اس آیت میں ایک لفظ **ایاک** دو مرتبہ آیا ہے اس طرح یہ قرآن مجید کا ایک ہی آیت میں ہونے والا پہلا تکرار ہے۔ یہ معنوی مفاہیم کے علاوہ لفظی خوبصورتی کا باعث ہے۔ اس مقام پر یہ تکرار کلام میں لطافت بھی پیدا کرتا ہے اور محبوب سے گفتگو چونکہ شیرین ہوتی ہے تو الفاظ کے تکرار سے سلسلۂ گفتگو کو طولانی کیا جاتا ہے۔

۲۔ پہلا بلا واسطہ خطاب

اس آیت مبارکہ کی یہ خصوصیت ہے کہ آسمانی کتاب میں عبد پہلی دفعہ اپنے مالک کو بلا واسطہ پکارتا ہے۔ اس کو خطاب کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ گرچہ انسان گذشتہ آیات میں مختلف مراحل میں یہ اعزاز حاصل کر رہا ہے

کہ اپنے مالک اور خالق سے صرف ''تم'' کہہ کر گفتگو کا آغاز کرے جس میں اپنائیت پائی جاتی ہے۔

۳۔ پہلی ضمیر

قرآن مجید میں استعمال ہونے والی پہلی ضمیر ''ایـاك'' ہے۔ یہ اس آیت مبارکہ کی ہی خصوصیت ہے کہ سب سے پہلی ضمیر اس آیت میں آئی ہے اور وہ بھی خدا کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ ضمیر بھی ضمیر مخاطب ہے۔ یہ ضمیر ایک آیت میں دو مرتبہ آئی ہے۔

ضمیر کا استعمال عظمت مقام معبود کی وجہ سے ہے۔ اس میں یہ مفہوم ہے معرفت اور شناخت کے مراحل طے ہو چکے ہیں۔ لہذا اب اس ذات برتر کے لیے ضمیر استعمال ہو رہی ہے۔ ضمیر خطاب اس لیے ہے کہ تعلق کا اظہار کیا جائے ہم تیرے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

۴۔ پہلا مطلوب الٰہی

مطلوب الٰہی اور طلب عبد کا پہلا تذکرہ اس آیت میں ہے، مقصد تخلیق بھی عبادت ہے۔ خدا بھی چاہتا ہے کہ انسان عبادت کرے اور اطاعت کی زندگی گزارے لہذا قرآن مجید میں پہلا مقام ہے کہ جہاں الٰہی مطالبہ کہ جو عبادت ہے اس کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ ہم تیرے حکم کے مطابق صرف تیری

ہی عبادت کرتے ہیں۔

پس مرضی الٰہی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ پھر عبد اپنی طلب کا اظہار بھی کرتا ہے کہ بارالہا ہم تمام معاملات میں تم سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ لہذا یہ عبد کی پہلی طلب اور دعا قرار پائی کہ جو قرآن مجید کی اس آیت کا خاصہ ہے۔

۵۔ پہلا اظہار وجود

اس آیت مبارک میں عبد ''نعبد'' اور ''نستعین'' کے الفاظ سے اظہار وجود کرتے ہوئے خدا کی بارگاہ میں حاضری دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ بندہ اپنے مالک سے اپنی ہی بھلائی کے دو کاموں کا تذکرہ کر رہا ہے کہ ہم اپنے کام اور ذمہ داری پوری کرتے ہیں اسی لیے فعل مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور (یہ قرآن مجید میں آنے والا پہلا فعل بھی ہے)۔

البتہ یہاں جمع متکلم کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اس میں اس امر کا اظہار ہے کہ ہماری عبادت مجموعی طور پر (یعنی اولیاء انبیاء اور آئمہ کی عبادت سے ملکر) ہی عبادت کہلا سکتی ہے وگرنہ ایک بندہ عبادت خدا انجام دینے کو اپنی طرف نسبت دینے میں کاذب بھی ہوسکتا ہے۔

پانچویں آیت کے فضائل

اس آیت کے فضائل میں سے ہم ایک ہی فضیلت کا ذکر کردہے ہیں۔

نماز حضرت امام زمانہ میں تکرار

اس آیت مبارکہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ ہمارے موجودہ زمانہ کے امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام کی مخصوصہ نماز کی ہر رکعت میں یہ آیت ۱۰۰ مرتبہ تکرار ہوتی ہے لہذا یہ آیت امام علیہ السلام سے ربط خاص رکھتی ہے۔(۱)

---

(۱) مفاتیح الجنان اردو ص ۱۰۵

چھٹی آیت

﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾

ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرماتا رہ

تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے تین بنیادی موضوع بیان کرتے ہیں۔

۱۔ ہدایت

پروردگار عالم کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار، اسکی وحدانیت کی گواہی، اسے اس کائنات اور عالم آخرت کا مربی اور مالک ماننے اور اس سے طلب و استعانت کے مرحلہ تک پہنچ جانے کے بعد ہم بارگاہ خداوندی میں درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں دنیا کے اس بیابان میں راہ مستقیم پر گامزن رکھ اور یہی راستہ جنت کے لیے ہمارا ہادی ہو، اس ہدایت کی دو صورتیں ہیں۔

الف: ہدایت تکوینی

خالق کائنات نے اس ہدایت کے ذریعے تمام حیوانات، جمادات، نباتات کو رشد، نمو اور ترقی عطاء فرمائی ہے۔ جس طرح پرندوں، چرندوں کا گرمی اور سردی کے مطابق انتظام کرنا، شہد کی مکھیوں کا پھولوں سے

رس نکال کر شھد فراہم کرنا ہدایت تکوینی ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا:

ربّنا الّذي أعطى كلّ شيءٍ خلقه ثمّ هدى (۱)

(حضرت موسیٰ نے فرمایا) ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر موجود کو لباس ہستی بخشا ہے اور پھر اس کی ہدایت اور رہبری کی ہے۔

ب: ہدایت تشریعی

اس ہدایت کے ذریعہ سے خداوند عالم نے تمام افراد بشر کی رہنمائی کی ہے انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا۔ آسمانی کتب کو بھیجا اس طرح خدا نے تمام انسانوں پر حجت تمام کردی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان کو حق و باطل کی پہچان کے لیے عقل جیسی قوت بھی عطا فرمائی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے احکام اور قوانین الٰہی کو ان کے سامنے بیان کیا ہے۔

اس ہدایت تشریعی کی پیروی سے بعض لوگوں نے ہدایت حاصل کی ہے۔ بعض لوگوں نے مخالفت کر کے ضلالت وگمراہی کا راستہ اختیار کیا جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا:

إنّا هديناه السبيل إمّا شاكراً وإمّا كفوراً (۲)

---

(۱) سورہ طٰہٰ آیت ۵۰ (۲) انسان یا دہر آیت ۳

یقیناً ہم نے انسان کو راہ (سعادت) کی ہدایت کی خواہ وہ شکر گزار ہو جائے یا کفران نعمت کرنے والا ہو۔

یہاں ہدایت سے کیا مراد ہے؟ جن لوگوں نے اس طرح سے ہدایت حاصل کر لی ہے اب وہ بارگاہ خداوندی میں خصوصی ہدایت کی درخواست کر رہے ہیں کہ ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا رہ۔ اس راستے پر چلتے رہنے کی توفیق عطاء فرما اور یہی اھدنا الصراط المستقیم میں بھی مراد ہے۔ یہ عنایت ربانی ہے خداوند عالم اپنی حکمت کے تقاضوں کے ساتھ اپنے خاص بندوں کے لیے یہ ہدایت مختص فرماتا ہے۔

بہر حال یہاں عمومی ہدایت مراد نہیں ہے جو خداوند عالم نے پوری کائنات کو عطاء کی ہے بلکہ یہاں ہدایت سے مراد وہی اعانت ہے جس کی خواہش کا اظہار ایاک نستعین میں کیا تھا یہ وہ توفیق خداوندی ہے جو بندہ کے شامل حال ہوتی ہے اور اسی کی بدولت وہ خیر و فلاح کے قریب رہتا ہے۔

۲۔ دعاء

مقام الٰہی کی معرفت رکھنے والے انسان کے لئے اہم ترین دعا، صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی دعا ہے یعنی ہمیں دنیاوی امور جیسے عبادت، اعتقاد، اخلاق، سیاست، معاملات، لین دین اور دوسرے تمام امور میں

ہدایت فرماتا رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اخروی امور جیسے قبر و برزخ، میدان حشر، پل صراط، صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی دعا۔ حساب کتاب کے مشکل حالات سے نجات عطاء فرمانے کی درخواست۔ یعنی یہ دعا انسان کی تمام دنیاوی اور اخروی میدانوں میں کامیابی اور سعادت کا ذریعہ ہے البتہ صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنے میں ہم ہر آن اور ہر لحظہ، خدا کے فضل و کرم اور توفیق کے محتاج ہیں جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ (۱)

اے لوگو! تم سب خدا کے محتاج ہو۔

۳۔ صراط مستقیم

صراط مستقیم کی وضاحت قرآن مجید نے مختلف مقامات پر بیان فرمائی ہے۔ بعض مقامات پر راہ اعتدال، اتحاد اور استقامت مراد ہے کیونکہ انسان کو ہر لحہ لغزش اور کجروی کا خوف رہتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے:

و ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصٰکم بہ لعلکم تتقون (۲)

---

(۱) فاطر آیت ۱۵ (۲) انعام ۱۵۳

یہ ہمارا سیدھا راستہ ہے اس کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی طرف نہ جاؤ کہ راہ خدا سے الگ ہو جاؤ گے۔

اسلام کا تربیتی راستہ معتدل اور درمیانی راہ ہے اس میں کوئی افراط وتفریط نہیں پائی جاتی۔ قرآن مجید نے صراط مستقیم سے اللہ کا آئین، دین حق اور احکام خداوندی کی پابندی بھی مراد لی ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

قل إنني هداني ربي إلى صراط مستقيم دينا قيما ملة إبراهيم حنيفا وما كان من المشركين (۱)

کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت کی ہے جو کہ سیدھا دین ہے۔ اس ابراہیم کا آئین ہے جس نے کبھی شرک نہیں کیا۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالی نے اپنی عبادت کا نام بھی صراط مستقیم رکھا ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

وأن اعبدوني هذا صراط مستقيم (۲)

میری ہی عبادت کرو کیونکہ یہ صراط مستقیم ہے۔

صراط مستقیم تک پہنچنے کا راستہ اللہ سے تعلق وربط کے ساتھ ممکن ہے اس سلسلے میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

---

(۱) انعام ۱۶۱ (۲) یسین ۶۱

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۱)

اور جس نے اللہ تعالی کے دامن کو تھامے رکھا اس نے ہی صراط مستقیم کی ہدایت پائی۔

خدا پر اعتقاد رکھنے والے انسانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا اور اوٗلیاء خدا کی راہ کا انتخاب کریں کیونکہ فقط یہی راہ ثابت ہے۔ دوسری تمام راہیں تغیر وتبدل کا شکار رہنے کے ساتھ متعدد بھی ہیں۔ لہذا انسان فقط خدا سے ہی سیدھی راہ پر ثابت قدم رہنے کا تقاضا کرے۔

اگر ہم ظلم اور راہ روی جیسے گناہوں ارتکاب کریں تو منبع ہدایت سے ہمارا رابطہ منقطع ہو جائے گا۔ لہذا ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اسے موانع پیش نہ آئیں تا کہ ہم انحراف اور تباہی سے بچے رہیں۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

يعني أرشدنا للزوم الطريق المؤدّىٰ إلىٰ محبّتك والمبلغ إلىٰ جنّتك والمانع من أن نتبع أهوائنا فنعطب أو أن نأخذ بآرائنا فنهلك (۲)

---

(۱) آل عمران ۱۰۱ (۲) صافی ج ۱ ص ۸۵

خدایا ہمیں ایسے راستے کی ہدایت فرما جو تیری محبت اور جنت تک لے جاتا ہے۔ جو راستہ خواہشات کی اتباع اور اپنی آراء پر عمل کرنے سے ہلاکت میں پڑنے سے روکتا ہے۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے دین حق کی حقیقی معرفت ان اشخاص کے ذریعہ ہو سکتی ہے جنہوں نے اس دین کے اصول پر صحیح معنی میں عمل کیا ہے۔ اس دنیا کے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں۔ لہذا صراط مستقیم پر پہنچنے کیلئے ان ہستیوں کی شناخت کے ساتھ ساتھ ان کی پیروی انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس کا اتم اور اکمل نمونہ صرف اور صرف اہلبیت طہارت وعصمت علیہم السلام ہی ہیں۔

جیسا کہ روایت میں بھی موجود ہے حضرت امام سجاد علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔

ليس بين الله وبين حجته حجاب، ولا للّه دون حجّته ستر، نحن أبواب الله، ونحن صراط المستقيم، ونحن عيبة علمه، ونحن تراجمة وحيه، ونحن أركان توحيده، ونحن موضع سرّه(۱)

---

(۱) المیزان ج ۱ ص ۱۴۱

خدااوراس کی حجت کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔خدا کی شناخت کے لئے حجت کی شناخت ضروری ہے۔ ہم ہی باب اللہ ہیں، ہم ہی صراط مستقیم ہیں،اورخدا کے علم کاخزانہ (بھی) ہیں۔ہم ہی خدا کی وحی کے ترجمان ہیں،ہم اس کی توحید کے ستون،اوراس کے اسرار کاخزانہ ہیں۔اسی مطلب پراوربھی بہت سی روایات ہیں جو بتاتی ہیں کہ الصراط المستقیم سے مراد محبت اہلبیتؑ ہے۔اس مطلب پر ابن شہر آشوب نے ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ اہدنا الصراط المستقیم سے مراداہلبیتؑ اورمحبت اہلبیت علیہم السلام ہے۔(۱)

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ امام جعفرصادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:هي الطّريق إلٰى معرفته وهما صراطان صراط الدنيا وصراط الآخرة، فأمّا الصراط في الدنيا وهو الإمام المفترض الطاعة من عرفه في الدنيا واقتدى بهداه مرّ على الصراط الّذي هو جسر جهنم في الآخرة ومن لم يعرفه في الدنيا زلّت قدمه في الآخرة فتردى في نار جهنم (۲)

---

(۱)المیزان ج۱ص۴۱ (۲)المیزان ج۱ص۴۱

صراط مستقیم خدا کی معرفت کا راستہ ہے۔ اس سے مراد دو راستے ہیں۔ صراط دنیا اور صراط آخرت۔ صراط دنیا سے مراد وہ امام ہیں جن کی اطاعت مخلوق پر واجب ہے لہذا جس نے اس دنیا میں اس امام کی معرفت حاصل کی اور اس کی پیروی کی، قیامت کے دن وہ پل صراط کو باآسانی عبور کرے گا اور جس نے اس دنیا میں امام برحق کی معرفت حاصل نہ کی قیامت کے دن اس کے قدم ڈگمگا جائیں گے اور جہنم کی آگ ہی اس کا ٹھکانا ہوگی۔

پل صراط کے بارے میں حضرت ابوبکر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اعظمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

لا یجوز أحدٌ الصراط إلاّ من کتب له عليٌّ الجواز(۱)

پل صراط سے صرف وہی گزر سکتا ہے جس کے پاس (حضرت) علیؑ کا تحریری اجازت نامہ ہوگا۔

بہرحال بعض مفسرین نے صراط مستقیم سے اسلام، بعض نے قرآن، بعض نے انبیاء، بعض نے حضرت رسول اعظمؐ، بعض نے معرفت امامؑ، بعض نے حضرت امیر المؤمنینؑ اور بعض نے آئمہؑ اثناء عشر برحق مراد لئے ہیں۔

علامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کو عموم پر حمل کرنا بہتر ہے تا

---

(۱) ریاض النضرۃ ج ص اور صواعق المحرقہ

کہ تمام موارد کو شامل ہو جائے یعنی صراط مستقیم وہ دین ہے جس کا خداوند عالم نے ہمیں حکم دیا ہے اور توحید، عدل (اور نبوت و امامت) اور ولایت کی اطاعت کو ہم پر واجب اور ضروری قرار دیا ہے۔(۱)

---

(۱) مجمع البیان ج ۱ ص ۱۰۴

ساتویں آیت

﴿صراط الّذین أنعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضّالین﴾

جوان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تم نے نعمتیں نازل کی ہیں، ان کا راستہ نہیں ہے جن پر غضب نازل ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں۔

تفسیر

اس سورہ کی اس آخری آیت کے ذیل میں چار بنیادی موضوعات تفسیر کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔

ا۔ الٰہی نعمتیں

یہ آیت مبارکہ اس راہ حق اور سیدھے راستے کی وضاحت ہے جس کی گزشتہ آیت میں دعا مانگی گئی تھی۔ بہرحال یہاں نعمت سے مراد مادی اور دنیاوی نعمتیں نہیں ہیں کیونکہ دنیاوی نعمتیں خدا کا عمومی انعام ہیں۔ ان کے لئے بقاء نہیں ہے۔ لہذا یہاں وہ ابدی اور دائمی نعمت مراد ہے جس کے حصول کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ وہ نعمت ہدایت اور توفیق ہدایت ہے۔

یہی انسان کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھتی ہے۔ یہ نعمت صرف اور صرف ایمان، آئمہ اطہار علیہم السلام کی ولایت کا اقرار، اور اطاعت اور پیروی میں مضمر ہے۔ آخری دم تک اس ہدایت پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے۔ جو لوگ نعمتوں کے حصول کے بعد ان پر ثابت قدم نہیں رہے تو ان پر اللہ کا

عذاب نازل ہوا۔ جیسا کی اللہ رب العزت کا فرمان ہے

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۱)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفران نعمت کے ساتھ تبدیل کر دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کی منزل تک پہنچا دیا۔

لہذا جنہوں نے جان بوجھ کر حق سے انحراف کیا ہے ان پر تو اللہ کا غضب ہوا ہے۔ جنہوں نے حق کو طلب کرنے میں کوتاہی کی ہے وہی بھٹکے ہوئے ہیں۔ جو اس ہدایت پر ثابت قدم ہیں وہ انعام یافتگان الہی ہیں اور انہی کے لئے سعادت ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا نے بھی فدک کے مسئلہ پر اپنے مسجد نبوی والے تاریخی خطبہ میں اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی کے اس فرمان کو تلاوت فرمایا:

فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (۲)

پس فقط مسلمان رہتے ہوئے اس دنیا سے مرنا۔

---

(۱) ابراہیم آیت ۲۸

(۲) سورہ بقرہ آیت ۱۳۲

لہذا اس ہدایت پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے فقط اسلام کو قبول کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ مرتے دم تک ثابت قدم رہنے سے ہی سعادت اور خوش بختی نصیب ہو سکتی ہے۔

۲۔ تربیت الٰہی

انسان اپنے آغاز سے لے کر انجام تک تربیت کا محتاج ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے اس کی تربیت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے ہیں۔

ان کے بعد ائمہ اطہار علیہم السلام تا قیام قیامت انسانیت کے مربی ہیں۔ انسان بھی یہی درخواست پیش کر رہا ہے کہ مجھے ان انعام یافتہ لوگوں کی راہ کا راہی بنا۔ خداوند عالم نے انعام یافتہ لوگوں کا قرآن مجید میں اس طرح تذکرہ فرمایا ہے:

ومن یطع اللہ والرّسول فأولئک مع الّذین أنعم اللہ علیہم من النبیّین والصدّیقین والشھداء والصّالحین (۱)

جو لوگ خدا اور رسول کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں خدا نے انہیں ان لوگوں کے ساتھ قرار دے دیا ہے جنہیں نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔ وہ

---

(۱) نساء آیت ۶۹

انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین لوگ ہیں۔

اسی طرح معانی الاخبار میں حضرت رسول اعظمؐ سے روایت ہے:

أنعمت عليهم شيعة علي يعني أنعمت عليهم بولاية علي ابن أبي طالب لم تغضب عليهم ولم يضلّوا(۱)

انعام یافتگان الٰہی (حضرت) علیؑ کے شیعہ ہیں کیونکہ انہیں علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت کا انعام دیا گیا ہے ان پر نہ تو غضب الٰہی ہوگا اور نہ ہی وہ گمراہ ہیں۔

۳۔ مغضوبین کی راہ سے دوری

قرآن مجید میں مغضوبین کے عنوان سے مختلف افراد اور امتوں کا تذکرہ موجود ہے جن پر خدا کا غضب ہوا ہے۔ ہم ہر روز نماز میں خداوند عالم سے یہی دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں ان مغضوبین کے عقائد، اخلاق اور عمل سے دور رکھ۔ یعنی ان کی راہ سے دوری اور ان سے نفرت کا اظہار ضروری ہے۔ کیونکہ ان پر اللہ کا غضب بھی ہے۔ اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ انہیں جنت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

ويعذب المنفقين والمنفقات والمشركين والمشركت

---

(۱) صافی ج ۱ ص ۸۷

الظآنّین باللہ ظنّ السوء علیهم دآئرۃ السوء وغضب اللہ علیهم ولعنهم وأعدّ لهم جهنّم وسآءت مصیراً(۱)

تاکہ منافق اور مشرک مرد اور عورتیں جو خدا کے بارے میں برے خیالات رکھتے ہیں ان سب پر عذاب نازل کرے، ان پر عذاب کی گردش ہو، ان پر اللہ کا غضب ہوا۔ اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ ان کے لئے جہنم کو مہیا کیا ہے اور وہ بری جگہ پر پہنچے ہیں۔

بہر حال کفر کی راہ اختیار کرنے والے، حق سے دشمنی رکھنے والے ہیں۔ انبیاء مرسلینؑ اور آئمہ اطہارؑ کو اذیّت دینے والے ہی مغضوبین ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صاق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

إنّ المغضوب علیهم النصّاب (۲)

بیشک مغضوب علیہم سے مراد اہلبیت سے عداوت کا اظہار کرنے والے (ناصبی) ہیں۔

لہذا مغضوبین کی راہ سے دوری اور ان سے نفرت کرنے والے ہی انعام یافتگان کی اتباع اور پیروی کرنے والے ہیں۔

---

(۱) فتح آیت ٦

(۲) صافی ج ۱ ص ۸۷

۴۔ گمراہوں کی راہ سے دوری

ہمیں گمراہوں کی راہ سے دوری اور نفرت کا اظہار کرنا چاہیے کیونکہ یہ لوگ بھی مغضوبین کی طرح ہی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ یہ خود گمراہ ہیں جبکہ مغضوبین خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ خدا نے پہلے مغضوبین کی راہ سے دوری کا حکم صادر فرمایا ہے۔ پھر بلا فاصلہ گمراہوں کی راہ سے اجتناب کا کہا ہے۔

قرآن مجید میں دونوں گروہوں کے متعلق مختلف آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے مغضوبین کا مرحلہ، گمراہوں کی نسبت سخت اور بدتر ہے۔

بعض مفسرین نے ضالین سے، منحرف عیسائی مراد لئے ہیں اور مغضوبین سے، یہودی مراد لئے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس کے برعکس کو بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے مغضوبین اور ضالین دو عنوان ہیں۔ چونکہ یہودی اور عیسائی ہر وقت اسلام دشمنی میں سرگرم رہتے تھے لہذا یہ دونوں گروہ مغضوبین بھی ہیں اور ضالین بھی ہیں۔ کیونکہ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسرں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے

ہیں:

کلّ من کفر باللہ فهو مغضوب عليه وضالّ عن سبيل اللہ(۱)

جو بھی حق خدا کو چھپاتا ہے وہ مغضوب علیہ اور سبیل خدا سے گمراہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

الضالّين أهل الشّكوك الّذين لا يعرفون الإمام (۲)

ضالین سے مراد وہ اہل شکوک ہیں جو امام کو نہیں پہچانتے۔

لہذا ان دونوں گروہوں سے نفرت ان کی راہ سے دوری اور انعام یافتگان کی راہ پر ثابت قدم رہنا صراط مستقیم ہے۔

---

(۱) صافی ج۱ص ۸۷
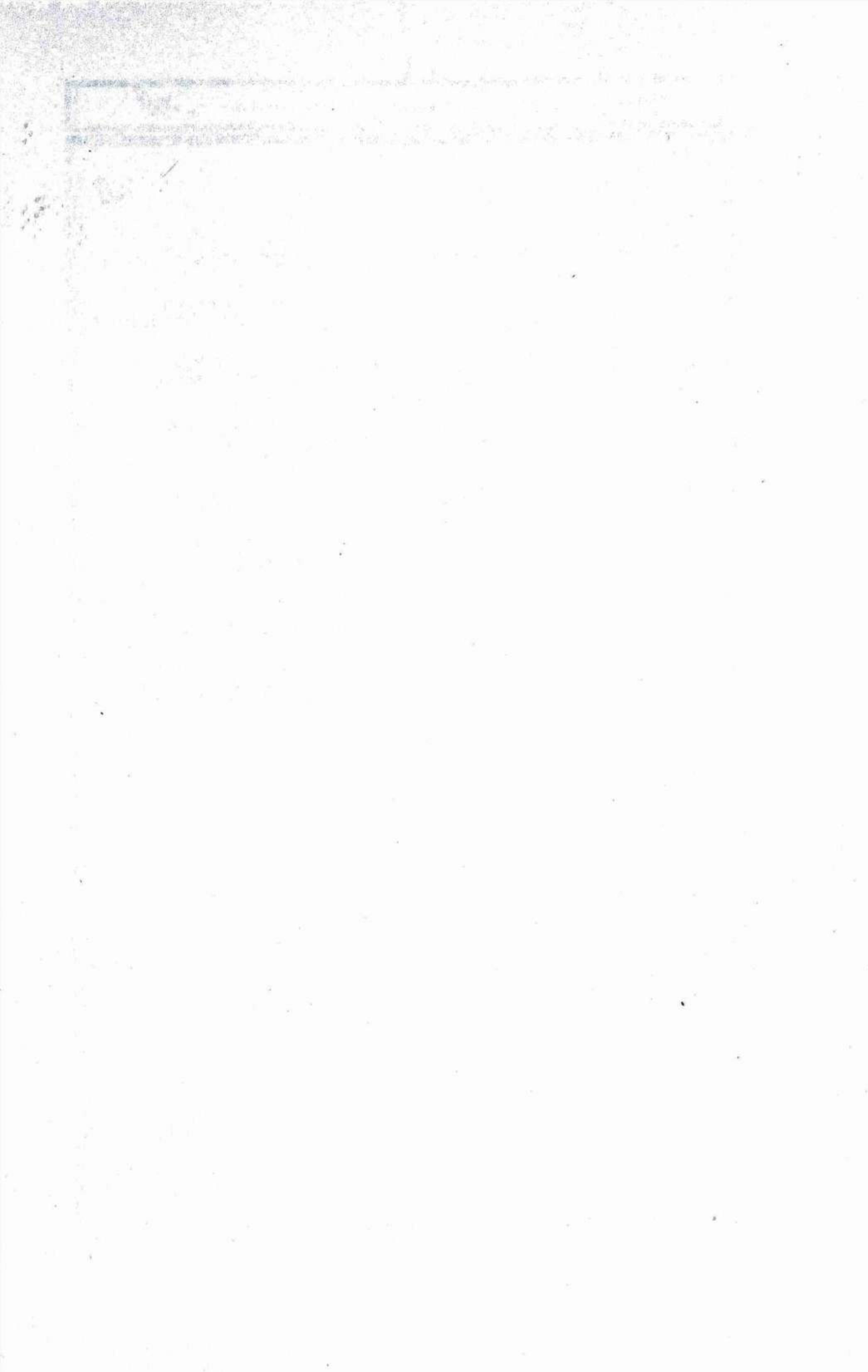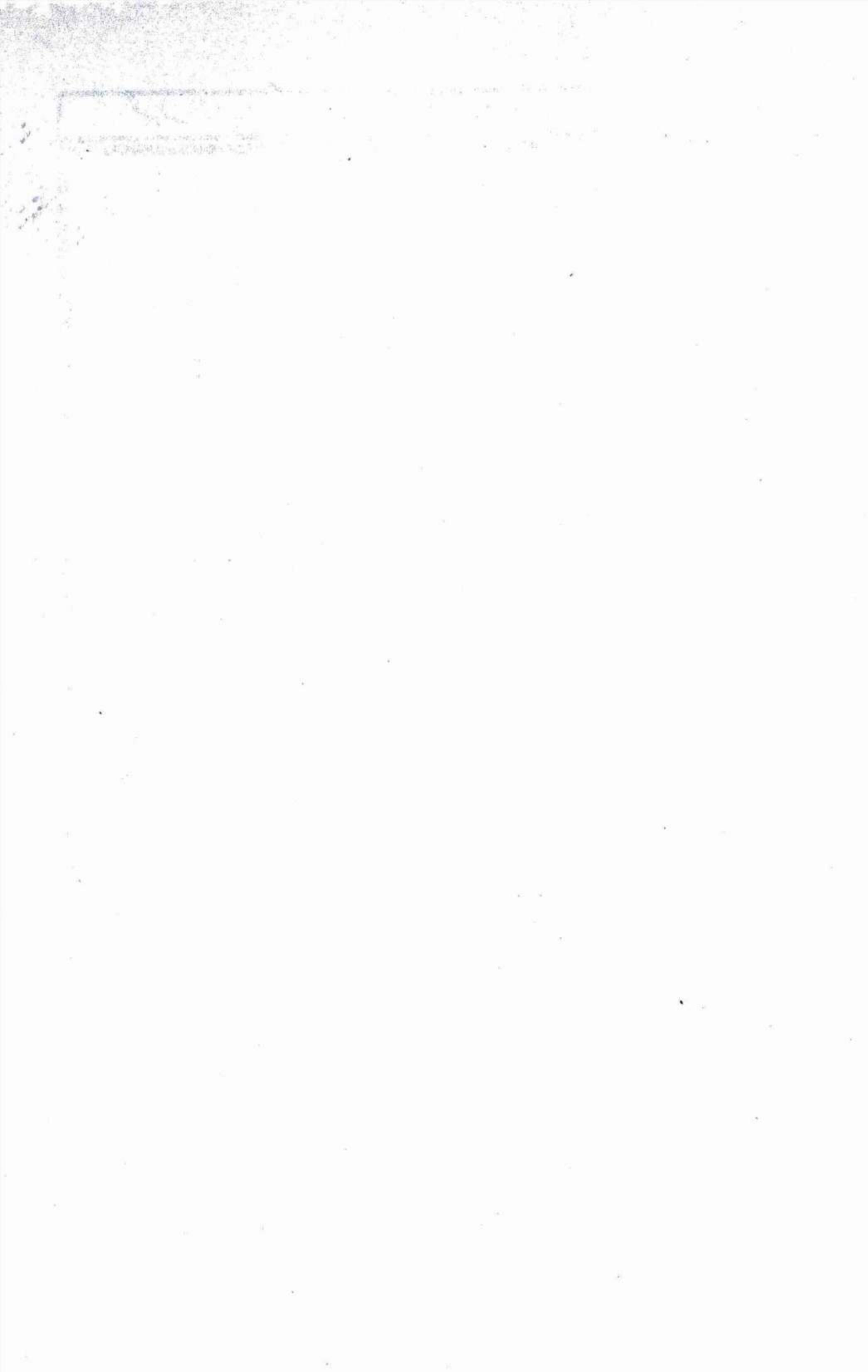
(۲) صافی ج۱ص ۸۷

سورہ کافرون

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

قل یا أیها الکافرون لا

أعبد ما تعبدون ولا أنتم

عابدون ما أعبد ولا أنا

عابد ما عبدتم ولا أنتم

عابدون ما أعبد لکم

دینکم ولي دین

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے (اے پیغمبرؐ منکرین اسلام سے) کہہ دو کہ اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ ہی کبھی میں اسکی بندگی کرنیوالا ہوں جسکی تم بندگی کرتے رہے ہو اور نہ ہی تم (کبھی بھی) اس کی بندگی کرو گے، جس کی میں بندگی کرتا ہوں تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔

تعارف

آیات:۶عدد　　کلمات: ۲۶ عدد　　حروف:۹۴عدد

نام: کافرون

وجہ تسمیہ: پہلی آیت میں لفظ کافرون استعمال ہوا ہے۔

مقام نزول: مکہ

سبب نزول: کافروں کا تقاضا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے دین پر عمل کریں اور ایک سال ہم　　آپ کے دین پر چلیں گے۔

شان نزول: کافروں کے جواب میں نازل ہوا ہے۔

ترتیب نزول: یہ سورۂ ماعون کے بعد اور سورۂ فیل سے پہلے نازل ہوا ہے۔

نام

مفسرین نے اس سورہ کے کئی نام بیان کئے ہیں ان میں سے پانچ نام درج ذیل ہیں۔

۱۔الکافرون: یہ اس سورہ کا مشہور نام ہے۔اسے تقریباً تمام مفسرین نے بیان کیا ہے۔اس سورہ کو کافرون کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی پہلی آیت میں قل یا ایھا الکافرون آیا ہے۔

۲۔سورۃ العبادۃ :چونکہ اس سورہ مبارکہ میں عبادت ہی محور بحث رہی ہے اس وجہ سے اسے سورۂ عبادت کہتے ہیں۔(۱)

۳۔المقشقشۃ: تشقش کے معنیٰ مریض کا بیماری سے شفا پا لینا ہیں چونکہ اس سورہ میں مرض شرک سے نجات اور برأت کا تذکرہ ہے اس لئے اس سورہ کو مقشقشہ کہتے ہیں۔(۲)

۴۔الإخلاص :اس سورہ کا ایک نام اخلاص بھی ہے۔کیونکہ جو

---

(۱) روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۴۹

(۲) الکبیر ج ۳۲ ص ۱۳۹ اور روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۴۹

شخص بھی خلوص کے ساتھ اس کی تلاوت کرے وہ شرک سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔(۱)

۵۔ المنابذۃ: چونکہ اس سورہ مبارکہ میں ایک دوسرے کو عار دلائی گئی ہے اسلئے اسے منابذہ کہتے ہیں۔(۲)

---

(۱) روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۴۹ اور الکبیر ج ۳۲ ص ۱۳۹

(۲) الکبیر ج ۳۲ ص ۱۳۹۔ اس سورہ کا ایک نام سورۂ جحد بھی ہے۔

شان نزول

پیغمبر اسلام نے جب اپنی مکی زندگی میں دعوت حق کا آغاز کیا تو کفر کی قوتوں نے اجتماعی اور انفرادی طور پر بھر پور کوشش کی کہ یہ دعوت حق کا روشن چراغ گل ہو جائے اور اسلام نیست و نابود ہو جائے۔ لیکن اس پیغام حق کی صداقت اور معجزانہ قوت نے ان باطل اور کفر کی قوتوں کا مقابلہ کیا اور با صلاحیت قلوب کو متاثر کر کے اپنے دامن حق میں پناہ دی۔

کفر کو جب اپنی بے بسی کا احساس ہو گیا کہ ہم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ہم حق و صداقت کے ہر کام میں روکاوٹیں کھڑی کر سکیں اس وقت انہوں نے مکارانہ طریقے استعمال کیے۔

کبھی تو یہ کہا کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب لائیں اور اس کو بدلیں تا کہ جب ہمارا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے تو خود پیغمبر اسلام کے عمل سے ہی قرآن کی تکذیب ہو جائے لیکن پیغمبر اسلام کی طرف سے قرآن مجید نے اس طرح سے جواب دیا:

ما یکون لی أن أبدله

میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اسے تبدیل کردوں۔(۱)
یعنی کبھی بھی حقائق بدلا نہیں کرتے اور نہ حق کبھی خواہشات نفسانیہ کے تابع ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید کی زبانی پیغمبر اسلامؐ نے انہیں اس طرح سے جواب فرمایا:

﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾(۲)

میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی میرے پاس (خدا کی طرف سے) وحی بھیجی جاتی ہے۔

بالآخر کفر نے اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ اگر حق ان کے باطل کے سامنے جھک جائے تو یہ لوگ حق کے سامنے جھکنے پر تیار ہیں چنانچہ سرداران قریش، حارث بن قیس سہمی، عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبدالمطلب، امیہ بن خلف وغیرہ سازش کے تحت پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

آیئے ہم اختلافات کو ختم کرتے ہیں، ہم آپ کو اس قدر مال پیش

---

(۱) یونس آیت ۵۴

(۲) انعام آیت ۵۰

کرتے ہیں کہ آپ اہل مکہ کے سب سے زیادہ مالدار شخص بن جائیں گے اور جس خاتون سے شادی کرنا چاہتے ہیں، کیے دیتے ہیں لیکن آپ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں۔ اگر آپ کو یہ قبول نہیں ہے تو پھر ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور پھر ایک سال تک ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اسطرح اختلاف اور فساد ختم ہو جائے گا اور ہم سب لوگ امن، صلح اور صفائی سے زندگی بسر کرسکیں گے۔

تابع وحی پیغمبرؑ نے ارشاد فرمایا: میں فرمان الٰہی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا ہوں۔ تو اس وقت حضرت جبرئیل سورۂ کافرون لیکر نازل ہوئے اور عرض کی یہ جھوٹے لوگ ہیں اور آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور یہ کبھی بھی ایمان نہ لائیں گے، ان کی موت بھی کفر پر ہی واقع ہوگی۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مسجد الحرام میں تشریف لے گئے وہاں قریش کے سرداروں کی ایک جماعت بھی موجود تھی، آپ نے وہاں کھڑے ہو کر یہ سورت تلاوت فرمائی۔ جب انہوں نے اس سورہ کا پیام سنا تو مکمل طور پر مایوس ہو گئے اور ہمیشہ کی طرح آپ اور آپ کے مخلص ساتھیوں کو آزار پہنچانے کی ٹھان لی۔ (۱)

---

(۱) اس شان نزول کو مختصر اختلاف سے تقریباً تمام مفسرین نے بیان کیا ہے۔

خصوصیات

ہوش ضروری ہے۔

اس سورہ کی یہ خصوصیت ہے اسے ہوش سے پڑھا جا سکتا ہے اور اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں ہو تو اسکو صحیح نہیں پڑھ سکتا چنانچہ واقعات میں ملتا ہے کہ صدر اسلام میں اگر کسی کے بارے معلوم کرنا ہوتا تھا کہ اس نے شراب پی ہے یا نہیں تو اسے کہا جاتا تھا کہ اس سورہ کی تلاوت کرے تو اگر صحیح سنا دیتا تو معلوم ہو جاتا کہ وہ بے گناہ ہے وگرنہ حد جاری کر دی جاتی تھی۔

فضائل

اس سورہ کے مندرجہ ذیل فضائل بیان ہوئے ہیں۔

۱۔شرک سے نجات

اس مبارک سورہ کی تلاوت کرنے والا شرک سے نجات حاصل کر لیتا ہے جیسا کہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہیں جاتے ہوئے دیکھا تو وہ آپ کے ساتھ چل دیا ابھی کچھ فاصلہ ہی گذرا تھا کہ وہاں سے ایک شخص کا گذر ہوا جو کہ سورۂ کافرون کی تلاوت کر رہا تھا تو اس وقت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هذا فقد برئ من الشرك (۱)

بے شک یہ شخص شرک سے بری ہو گیا۔

۲۔ربع قرآن کی تلاوت

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورہ کی تلاوت کرنے کے متعلق اس طرح ارشاد فرمایا:

---

(۱) درالمنثور ج ۶ ص ۴۰۵

من قرأ قل يا أيها الكافرون فكأنما قرأ ربع القرآن وتباعدت عنه مردة الشياطين، وبرأ من الشرك ويعا في من الفزع الكبر (۱)

جس نے سورہٴ کافرون کی تلاوت کی گویا اس نے ربع قرآن کی تلاوت کی ہے اور شیاطین مردود اس سے دور ہو گئے ہیں اور وہ شرک سے بری ہو گیا ہے اور بروز قیامت خوف وگھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔

اس حدیث شریف میں چوتھائی قرآن کی تعبیر شاید اس لئے استعمال کی گئی ہے کیونکہ قرآن مجید کی ایک چوتھائی شرک اور بت پرستی کے خلاف مبارزہ ہے، جسکا نچوڑ اور خلاصہ اس سورہ میں بیان ہوا ہے۔

سرکش شیاطین سے دوری شاید اس بناء پر ہے کیونکہ اس سورہ میں مشرکین کی پیشکش کو ٹھکرا دیا گیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ شرک شیطان مردود کا اہم ترین حربہ ہے۔ قیامت کے دن گھبراہٹ کے نہ ہونے کی وجہ بھی شاید یہی ہے کہ قیامت میں ان چیزوں سے نجات کیلئے ضروری ہے کہ انسان توحید پرست ہو اور نفی شرک کا پابند ہو۔

---

(۱) نور الثقلین ج ۵ ص ۶۸۵، مجمع البیان ج ۱۰ ص ۵۵۱، در المنثور ج ۶ ص ۴۰۵ اور منہج الصادقین ج ۱۰ ص ۳۶۶

۳۔سوتے وقت مفید عمل

حدیث میں ہے کہ فروہ نوفل کے والد نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ میں آپ کی بارگاہ میں اسلئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے اس چیز کی تعلیم دیں جسے میں سوتے وقت پڑھا کروں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إذا أخذت مضجعك فاقرء قل يا أيها الكافرون ثم نم علىٰ خاتمتها فإنّها براءة من الشرك (۱) جب تم اپنے بستر پر سونے کیلئے جاؤ تو سورہ یا أیها الکافرون کی تلاوت کرو اور اسے مکمل کر کے سو جاؤ کیونکہ یہ سورہ شرک سے بیزاری اور برائت ہے۔

۴۔شر سے بچاؤ

ایک اور حدیث میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ جب تمھارے بچے سونے کیلئے بستر پر جانے کا ارادہ رکھتے ہوں تو تم انہیں حکم دو کہ سورۂ الکافرون کی تلاوت کرنے کے بعد سوئیں تا کہ وہ ہر قسم کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ (۲)

---

(۱) ابوالفتوح رازی ج ۲۰ ص ۴۳۳، درالمنثور ج ۶ ص ۴۰۵ اور نورالثقلین ج ۵ ص ۶۸۸

(۲) ابوالفتوح رازی ج ۲۰ ص ۴۳۴ اور منہج الصادقین ج ۱۰ ص ۴۶۷

مشترکہ فضائل

اس سورہ کے دیگر سورتوں کے ساتھ چند مشترکہ فضائل ہیں جو یہاں بیان کرتے ہیں۔

ا۔ دنیا و آخرت کی سعادت

حسین بن ابی العلاء روایت کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا جو شخص بھی قل یا أیها الکافرون اور قل هو الله أحد کسی نماز میں تلاوت کرے گا تو خداوند متعال اسکے ماں باپ اور اولاد کو بخش دے گا۔ اگر اس سے پہلے وہ شخص شقی القلب رہا ہو تو اس کا نام دیوان اشقیاء سے محو کر کے دیوان سعداء میں لکھ دے گا۔ اس کو جب تک زندہ رکھے گا سعید اور نیک بخت زندہ رکھے گا اور اسے شہادت کی موت نصیب ہوگی اور یہ شخص شہید ہی مبعوث ہوگا۔(۱)

---

(۱) نور الثقلین ج ۵ ص ۶۸۵، در المنثور ج ۶ ص ۴۰۵ اور منہج الصادقین ج ۱۰ ص ۳۶۷

۲۔ثلث اور ربع قرآن

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اقتداء میں قصر نماز پڑھی تو حضرت نے پہلی رکعت میں قل یا أیها الکافرون کی تلاوت کی اور دوسری رکعت میں قل هو الله أحد کی قرائت کی اور نماز کے بعد ارشاد فرمایا:

قرأت لکم ثلث القرآن وربعه (۱)

میں نے تمھارے لئے ثلث قرآن اور ربع قرآن کی قرائت کی ہے۔

۳۔معصوم کا وطیرہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں آپ لوگوں کو سات مقامات پر قل یا أیها الکافرون اور قل هو الله أحد کی تلاوت ترک نہیں کرنا چاہئے۔ وہ سات مقامات یہ ہیں ۱۔فجر سے پہلے دو رکعت، ۲۔زوال کی دو رکعتیں، ۳۔مغرب کے بعد دو رکعت، ۴۔صلاۃ اللیل کی پہلی دو رکعتوں میں، ۵۔احرام کی دو رکعتیں، ۶۔فجر کے وقت کی دو رکعتیں اور ۷۔جب تو بیدار ہو۔ (۲)

---

(۱) نور الثقلین ج ۵ ص ۶۸۶

(۲) نور الثقلین ج ۵ ص ۶۸۷

۴۔حساب کتاب سے نجات

زید بن ارقم سے حضرت رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

من لقی اللہ بسورتین فلا حساب علیہ قل یا أیّھا الکافرون و قل ھو اللہ أحد (۱)

جو ان سورتوں کی تلاوت کرتے ہوئے اللہ سے ملاقات کرے تو اس کا کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔وہ دو سورتیں قل یا أیّھا الکافرون اور قل ھو اللہ أحد ہیں۔

۵۔بچھو کاٹے کا علاج

طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مشغول تھے کہ انھیں بچھو نے کاٹ لیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ بچھو (عقرب) پر لعنت کرے پھر آپ نے وہاں کچھ پانی لگایا اور قل یا أیّھا الکافرون، قل أعوذ بربّ الفلق اور قل أعوذ بربّ الناس کی تلاوت کی۔(۲)

---

(۱) در المنثور ج۶ ص۴۰۶

(۲) در المنثور ج۶ ص۴۰۶

۶۔توشۂ سفر

جبیر ابن مطعم سے پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمایا:

اے جبیر! کیا تم چاہتے ہو کہ جب تم سفر کیلئے جاؤ تو تم زادراہ اور توشۂ سفر کے لحاظ سے اپنے تمام ساتھیوں سے بہتر رہو اور خدا کی پناہ میں رہو، عرض کی، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، جی ہاں! تو حضرت نے ارشاد فرمایا:

تو پھر ان پانچ سورتوں کی تلاوت کرتے رہا کرو قل یا أیّھا الکافرون، إذا جاء نصر الله، قل ھو الله أحد، قل أعوذ بربّ الفلق اور قل أعوذ بربّ الناس اور ہر سورہ کی ابتداء میں بسم الله پڑھو۔

جبیر کہتے ہیں میرے پاس مال زیادہ نہ تھا جب میں نے ان سورتوں کی تلاوت کو اپنا وظیفہ قرار دے لیا تو میرا مال اور زاد سب سے زیادہ ہو گیا، سفر میں دوست بھی میرے ساتھ تھے لیکن میری ہیبت اور سطوت سب سے زیادہ ہوتی تھی۔(۱)

---

(۱) ابوالفتوح رازی ج ۲۰ ص ۴۳۳، نور الثقلین ج ۵ ص ۶۸۶، درالمنثور ج ۶ ص ۴۰۶ اور منہج الصادقین ج ۱۰ ص ۳۶۷

تفسیر آیات

پہلی آیت

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا

مہربان ہے۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر بیان ہو چکی ہے نیز اس کی بہت سی خصوصیات اور فضائل بھی گزر چکے ہیں۔

لیکن یہاں اس نکتہ کی طرف اشارہ ضروری ہے خداوند متعال نے کافروں کو بھی اپنی نعمتیں دی ہیں کیونکہ انہیں خلق فرمایا ہے اور انہیں زندگی اور اسکی آسائشات عطاء کی ہیں تا کہ ان پر اسکی حجت تمام رہے، البتہ آخرت میں انہیں عذاب ضرور ہوگا اور یہ عذاب بھی عین رحمت ہے اور خدا کی رحمانیت کے منافی نہیں ہے، جس طرح مجرم کو سزا دینا اس کے ساتھ عدالت کرنا ہے۔

دوسری آیت

﴿قل یا أیّھا الکافرون﴾

(اے پیغمبرؐ منکرین اسلام سے) کہہ دو کہ اے کافرو!

تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں تین موضوع زیر بحث آئیں گے۔

۱۔قل کی حکمت

ان چاروں سورتوں کی ابتداء میں لفظ قل استعمال ہوا ہے مفسرین نے قل کی تفسیر میں بہت زیادہ احتمالات بیان کیے ہیں (۱) ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

الف۔رحمت للعالمین

خداوند متعال نے حضرت محمد مصطفیٰ کو وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين نے عنوان سے مبعوث فرمایا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ لوگوں کو دین

---

(۱) اکثر تفاسیر نے لفظ قل کے معانی کی بحث کی ہے ان میں تفسیر کبیر فخر الدین رازی نے تقریباً ۱۴۳ احتمالات بیان کئے ہیں۔

اسلام کی عمدہ طریقے سے تبلیغ کریں (۱) لہذا اگر آپ انہیں یا أیها الکافرون کہہ کر پکارتے تو پھر یہ لوگ شاید یہ کہہ دیتے کہ آپ کیسے رحمت للعالمین ہیں جو ہمیں کافر کہہ کر پکار رہے ہیں۔

اس آیت میں خداوند عالم نے قل یا أیها الکافرون کہہ کر کافرون کی زبانوں کو بند کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیسے رحمت للعالمین ہیں کہ وہ تمہیں کافر کہہ کر نہیں پکار رہے بلکہ یہ میں نے حکم دیا ہے کہ کہو اے کافرو!۔

ب۔ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ

لفظ قل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام وساطت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں اور خالق کے کلام کو دیگر مخلوق اور عوام تک پہنچانے کا سبب آنحضرتؐ کی ذات ہے۔

ج۔ صادق اور امین

اس لفظ قل سے ہمیں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ آپ کس قدر صادق اور امین ہیں جس طرح خداوند عالم نے فرمایا اس طرح اس کے کلام کی من وعن حکایت کردی حالانکہ جب خدا نے کہا تھا اے محمدؐ آپ کہیں یا أیها

---

(۱) جیسا کہ ارشاد ربّ العزت ہے: وجادلهم بالّتي هي أحسن

الکافرین تو آپ فقط اے کافرو ہی کہہ دیتے تو کافی تھا لیکن یہ امانت داری کے خلاف تھا لھذا جسطرح خدا نے فرمایا آپ نے بالکل اسی طرح اس کے فرمان کی حکایت کردی جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام قل کا معنی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ: قل کا معنی یہ ہے کہ اے محمدؐ میں نے تم پر جو وحی کی ہے اور تجھے جو خبر دی ہے تم اسکا اظہار کرو تا کہ اس کو سن کر ہر سننے والے کان اور ہدایت خواہ دل کی ہدایت ہو جائے۔

۲۔ کافر کون؟

کافر سے مراد ایسا ضدی اور ہٹ دھرم شخص ہے جو حق کی روشنی دیکھنے کے باوجود انکھیں بند کر لیتا ہے اور حق بات سن کر کانوں میں انگلیاں دے لیتا ہے یہ اپنے معتقدات میں سارا بھروسہ اپنی آباؤ اجداد کے نظریات پر کرتا ہے انہی لوگوں کہ متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

إن شرّ الدوّاب عند الله الصمّ البكم الذين لايعقلون ولو علم الله فيهم خيراً لأسمعهم ولو أسمعهم لتولّوا وهم معرضون

یقیناً خدا کے نزدیک تمام جانداروں سے بدتر، وہ بہرے اور گونگے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اگر خدا ان میں نیکی کا مادہ دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق

بخشتا اور اگر (صلاحیت ہدایت کے بغیر) سماعت دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے۔

ایسے اکثر لوگ داعی حق کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ہمیں کس بات کی جانب دعوت دیتا ہے؟ کیا یہ ہمیں خدا کی طرف بلا رہا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم پہلے سے ہی موحد ہیں ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ ہم اللہ کسی اور کو مان رہے ہیں اور جس کا یہ کہہ رہا ہے اسکا انکار کرتے ہیں۔

بہرحال کافر سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن کی فطرت میں کفر رچ بس گیا ہے یہ لوگ کبھی بھی عمل خیر پر باقی رہنے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا عقیدہ اور اعمال، عقیدہ صالحہ کی بنیاد پر استوار نہیں ہے۔، ان کے اعمال کے اسباب کبھی تو عادت اور تقلید ہے اور کبھی نام وشہرت اور کبھی جاہ و دنیا طلبی ہے۔ جب بھی ان کی غرض کی تکمیل کیلئے کوئی دوسری صورت پیدا ہو جاتی ہے تو برائی کو اپنانے سے دریغ نہیں کرتے ہیں۔

۳۔ کافروں سے کون مراد ہیں؟

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں استعمال ہونے والا لفظ کافر عمومیت نہیں رکھتا بلکہ اس سے وہی خاص گروہ مراد ہے جس کا شان نزول میں تذکرہ ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ اس رائے کی دوسری دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مکہ کے بت پرستوں میں سے کافی لوگ ایمان بھی لے آئے اور مسلمان بھی کہلوائے لہذا قرآن مجید کی اس آیت میں ''کہ نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے اور نہ میں تمہارے معبودوں کو مانوں گا'' واضح معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں کافروں سے کفر اور شرک کے سرغنوں کا یہی گروہ مراد ہے جو آخری عمر تک ہرگز ایمان نہیں لایا جبکہ فتح مکہ کے موقع پر بہت سے مشرکین جوق در جوق اور فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

تیسری آیت

﴿لا أعبد ما تعبدون﴾

میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں ایک ہی موضوع ہے۔

عبادت فقط خدا کیلئے ہے

کفار وجود صانع کا اقرار کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ وہی ہمارا خالق اور وہی ہمارا رازق ہے یعنی یہ لوگ وجود خدا کے منکر نہ تھے جب بھی ان سے پوچھا جاتا کہ تمہارا حقیقی خالق کون ہے تو وہ بتاتے اللہ ہے جیسا کہ ارشاد ربّ العزت ہے:

ولئن سألتهم من خلق السموٰت و الأرض ليقولون الله (۱)

اگر ان سے زمین و آسمان کے خالق کے متعلق سوال کریں تو وہ یقیناً کہیں گے کہ (زمین و آسمان کا خالق) اللہ ہے۔

---

(۱) لقمان آیت ۲۵

یہ لوگ اللہ کو خالق تو مانتے تھے۔ لیکن اس اللہ کی عبادت نہ کرتے تھے
اس آیت میں واضح کیا جارہا ہے کہ عبادت کا سزاوار صرف اور صرف اللہ
ہے۔ لیکن کافروں اور بت پرستوں کا عقیدہ یہ تھا کہ عبادت صرف بتوں کی کرنا
چاہئے۔ اور یہ بت بارگاہ خداوندی میں واسطہ بنیں گے۔ ہماری مرادیں
برلائیں گے یا یہ کہتے تھے کہ ہم خدا کی عبادت کرنے کے لائق نہیں ہیں اس
لئے ہمارا فریضہ ہے کہ جسمانی بتوں کی عبادت کریں۔

اس موقع پر قرآن مجید واضح الفاظ سے کہہ رہا ہے کہ عبادت صرف
اور صرف خدا کیلئے ہو لہذا قرآن کی زبانی حضرت محمد مصطفی بھی اس بات کا
اعلان فرمارہے ہیں کہ میں اس خدا کی عبادت نہیں کرتا جو عالم مادی میں آسکتا
ہے یا صاحب اولاد ہے یا صرف سفارشی ہے یہ تمہارے معبود ہیں میرا معبود تو
ان سب چیزوں سے مبرا و منزہ ہے۔

چوتھی آیت

﴿ولا أنتم عابدون ما أعبد﴾

اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں کرتا ہوں۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں بھی ایک ہی موضوع ہے۔

اخبار غیب

اس آیت میں خداوند عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان کر رہا ہے کہ اے محمدؐ ان سے کہہ دو کہ جس کی میں عبادت کرتا ہوں تم ہرگز اس کی عبادت نہ کرو گے۔ کیونکہ خداوند عالم نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں ہمیشہ صرف اس کی بندگی ہی کرتا رہوں اور تمہیں یہ بتاؤں کہ تم بھی تا قیام قیامت اللہ کی بندگی نہ کرو گے۔ لہذا تا ابد میرے اور تمہارے درمیان کسی قسم کا اشتراک نہیں ہے۔ تمہارے اور میرے معبود میں بہت فرق ہے تمہارا معبود جماد اور بے شعور ہے۔ وہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ میرا معبود خالق کون ومکان ہے۔ لہذا تم کبھی بھی میرے معبود کی عبادت اور بندگی نہیں کر سکتے۔ جس چیز کی تم بندگی کرتے ہو وہ بندگی اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب اور پوری کائنات خلاق عالم کی مخلوق ہے۔ بندگی کی وہی ذات مستحق ہے جو پوری کائنات کی خالق اور مالک ہو۔

پانچویں آیت

﴿ولا أنا عابد ما عبدتم﴾

اور نہ ہی کبھی میں اسکی بندگی کرنیوالا ہوں جسکی تم بندگی کرتے رہے ہو۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں بھی ایک ہی موضوع ہے۔

حق میں ملاوٹ نہیں ہو سکتی

یہاں اس امر پر تاکید کی جا رہی ہے کہ جس طرح ابتدا سے میرا دامن ہر طرح کی برائی اور کفر و شرک کی نجاست سے پاک ہے اسی طرح آخر دم تک ہر قسم کے کفر و معصیت کی نجاست سے پاک رہے گا۔ کیونکہ میرا وجود حق ہے میرا پیغام حق ہے اور میرے تعلیمات حق ہیں۔ حق میں کبھی بھی باطل کی ملاوٹ نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی حق کبھی باطل کے سامنے جھکتا ہے۔

جبکہ تم لوگ کبھی بھی شرک کو ترک کرنے والے نہیں ہو۔ تم حق کی دعوت اور اثر کو روکنے کیلئے باطل چال چلنے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ اچھی طرح جان لو کہ حقیقتیں نہ ہی ختم ہوتی ہیں اور نہ ہی باطل کی ملاوٹ کو قبول کرتی ہیں۔ لہذا میں جس کی عبادت کرتا ہوں وہ حق ہے تم اس کی بندگی نہ کرو گے اور جس کی تم پرستش کرتے ہو وہ باطل ہے میں کبھی بھی اس پر عمل نہیں کر سکتا۔

نوٹ: اس آیت کی خصوصیات یا فضائل کے حوالے سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

چھٹی آیت

﴿ولا أنتم عابدون ما أعبد﴾

اور نہ ہی تم (کبھی بھی) اس کی بندگی کرنے والے ہو، جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں بھی ایک ہی موضوع ہے۔

تکرار کیوں؟

قرآن مجید کی ان چار آیات میں لفظی یا معنوی تکرار ہے دو آیتوں میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بتوں کی عبادت کرنے کی نفی کا تکرار کیا ہے اور دو آیات میں کافروں کی طرف سے خدا وحدہ لاشریک کی عبادت نہ کرنے کا تکرار ہے۔

مفسرین نے اس تکرار کی کئی وجوہات ذکر کی ہیں ان میں بہتر وجہ یہی ہے کہ تکرار تاکید کے عنوان سے ہے تا کہ مشرکین مکمل طور پر مایوس ہو جائیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا راستہ اسلام سے جدا ہے اور یہ بتانے کیلئے ہے کہ توحید اور شرک کے درمیان، حق و باطل کے درمیان مصالحت نہیں ہو سکتی یعنی جب کفار حضرت رسول خداؐ کو شرک کی طرف دعوت دینے میں اصرار کیساتھ تکرار کرتے تھے تو قرآن مجید بھی ان کے ردّ میں تکرار کر رہا ہے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں (ایک زندیق) ابو

شاکر دیصانی نے آنحضرتؑ کے ایک صحابی ابو جعفر احولؒ سے ان آیات کے تکرار کی دلیل کے بارے میں سوال کیا اور کہا کیا کسی عقلمند آدمی سے یہ بات ممکن ہے کہ اس کے کلام میں اس قسم کا تکرار ہو؟

ابو جعفر احولؒ کے پاس اس کا جواب نہ تھا لہذا وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ آیا اور اس سلسلہ میں سوال کیا حضرتؑ نے ارشاد فرمایا: ان آیات کا نزول اور ان میں تکرار کا سبب یہ تھا کہ قریش نے پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک سال آپؐ ہمارے خداؤں کی پرستش کریں اور دوسرے سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے اسی طرح بعد والے سال میں آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور اگلے سال ہم آپ کے خدا کی بندگی کریں گے۔

اس وقت مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اور ان کی تمام تجاویز کی نفی کر دی، جب ابو جعفر احولؒ نے ابوشاکر کو جا کر یہ جواب دیا تو اس نے کہا:

هذا ما حمله الإبل من الحجاز(۱)

یہ وہ بار ہے جسے اونٹ حجاز سے اٹھا لائے ہیں، یعنی یہ تیرا جواب نہیں ہے بلکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے۔

---

(۱) تفسیر قمی جلد۲ ص ۴۴۵، میزان جلد ۲۰ ص ۴۲۱

ساتویں آیت

﴿لکم دینکم ولي دين﴾

تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں دو موضوع ہیں۔

۱۔حق و باطل میں مصالحت ممکن نہیں

اس آیت مجیدہ میں بھی ایک قسم کا گزشتہ بحث کا تکرار ہے۔لیکن اب اسے اس انداز میں پیش کیا جارہا ہے کہ تمہارا دین تمہارے ساتھ مخصوص ہے۔ میرا دین میرے ساتھ مخصوص ہے۔نہ تو ماضی میں میرے دین کا تمہارے دین کیساتھ اشتراک عمل رہا ہے اور نہ ہی آئندہ کبھی ایمان کی کفر کیساتھ ملاوٹ ہو سکتی ہے۔لہذا دین کے معاملات میں تمہارے لئے تمہاری راہ اور میرے لئے میری راہ ہے یعنی جب تم باطل کو ترک نہیں کر سکتے تو حق کے علمبردار حق کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

توحید اور شرک دو متضاد اور جدا راہیں ہیں۔ان میں ایک دوسرے کے ساتھ کسی قسم کی کوئی شباہت نہیں ہے۔کیونکہ توحید انسان کو خدا سے مربوط کرتی ہے۔شرک خدا سے بیگانہ بنا دیتا ہے۔اسی وجہ سے نہ تو پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے شرک کے ساتھ مصالحت کی ہے اور نہ دوسرے انبیاء

نے بلکہ یہ ہمیشہ شرک کی مخالفت اور مقابلہ کرتے آئے ہیں۔

۲۔ کیا یہ آیت بت پرستی کا جواز ہے؟

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آخری آیت میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور میرا دین میرے ملئے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اپنے دین پر خوش رہو اور عمل کرتے رہو اور میں اپنے دین پر آزاد ہوں تم اپنے دین پر برقرار رہ کر اپنے اعتقادات کے مطابق بندگی کرتے رہو اور میں اپنے دین کے مطابق عبادت کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ باطل اور بت پرستی کو تجویز کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ خام خیالی اور بے بنیاد بات ہے کیونکہ ان تمام آیات کا لب ولہجہ بتا رہا ہے کہ یہ ایک قسم کی تہدید اور تحقیر ہے یعنی یہ کہا جا رہا ہے کہ تمہارا دین تمہیں ہی مبارک ہو تم جلد ہی اس کے برے انجام کو دیکھ لوگے۔

جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

وإذا سمعوا اللغو أعرضوا عنه وقالوا لنا أعمالنا و لكم أعمالكم سلام عليكم لا نبتغي الجاهلين (۱)

مؤمنین جب بھی کوئی لغو اور بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے

---

(۱) قصص آیت ۵۵

روگردانی کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، تم پر سلام، ہمیں جاہلوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

بہر حال یہ آیت کسی طور پر بھی یہ نہیں بتاتی کہ تم اپنی مرضی سے اعمال بجالاتے رہو اور بت پرستی اور شرک کرتے رہو بلکہ قرآن نے ہمیشہ انہیں بت پرستی اور شرک سے روکا ہے اور بہت

سی آیات شرک کی مذمت اور سرکوبی کرتے ہوئے نظر آتی ہیں، شرک کو کائنات کے ہر کام سے برا گردانتی ہیں اور نہ بخشے جانے والا گناہ بیان کرتی ہیں۔

سورۂ توحید
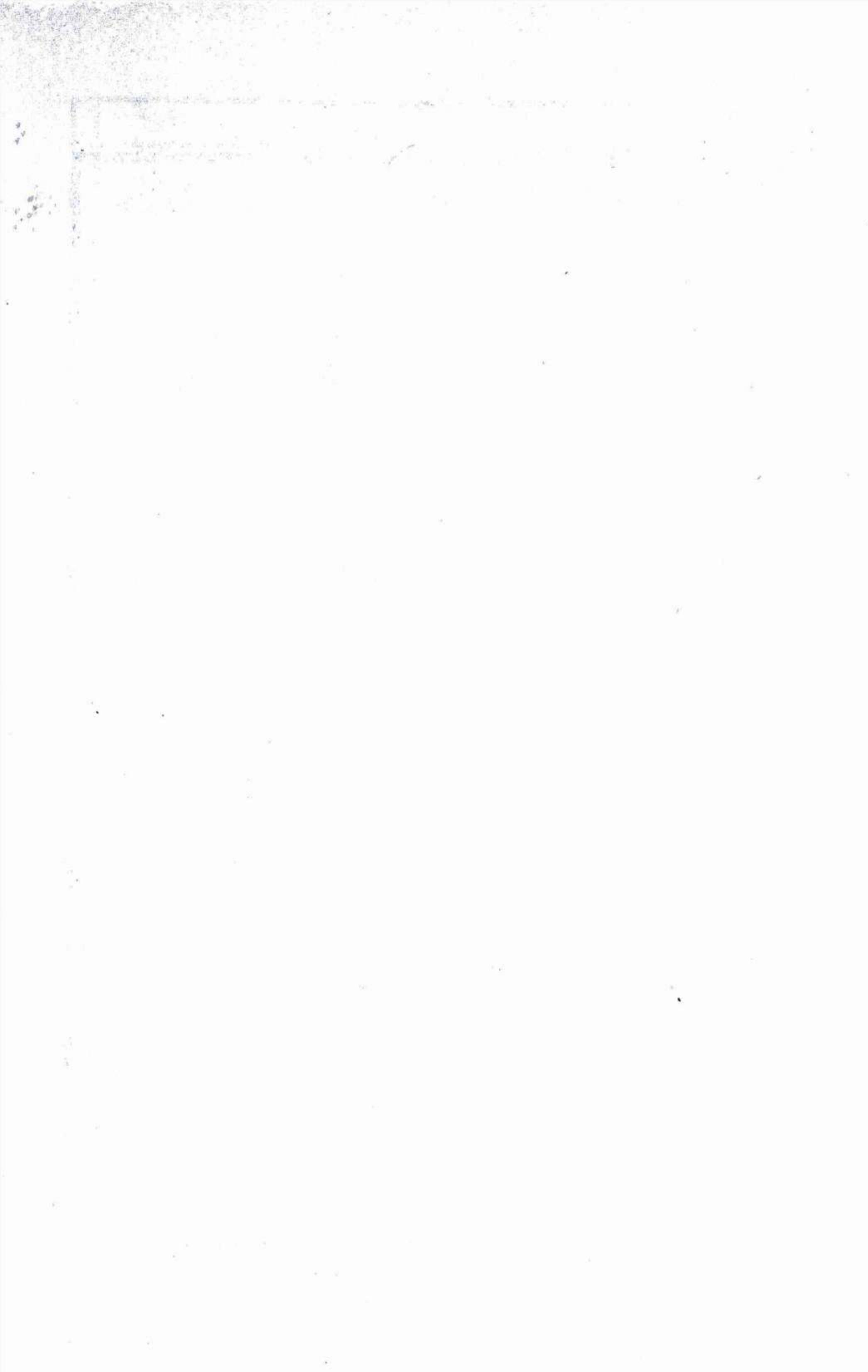
الرّحیم قل هو اللّٰه

أحد اللّٰه الصمد لم

یلد ولم یولد ولم

یکن له کفوًا أحد

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض
پہنچانے والا بڑا مہربان ہے کہدو!
وہ اللہ یگانہ (یکتا و بے مثال) ہے،
اللہ وہ مالک ہے جسکی طرف سب
حاجت مند رخ کرتے ہیں، نہ تو
اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ کسی سے
جنم لیا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

تعارف

تعداد آیات: ۵ تعداد کلمات: ۱۵ تعداد حروف: ۴۷

نام: سورہ توحید

وجہ تسمیہ: چونکہ یہ توحید کی پرمبنی ہے۔

مقام نزول: مکہ

سبب نزول: لوگوں کے سوالات

شان نزول: لوگوں نے پیغمبر اکرمؐ سے کہا تھا کہ اپنے پروردگار کا حسب ونسب بیان کرو۔

تاریخ نزول:

ترتیب نزول: یہ سورۂ ناس کے بعد اور سورۂ نجم سے پہلے نازل ہوا ہے۔

نام

علماء علم و ادب اور بزرگان اسلام کا خیال ہے کہ اگر کسی چیز کے نام زیادہ ہوں تو یہ اس کی اہمیت اور بزرگی کی علامت ہوتی ہے۔ چار آیات پر مشتمل سورۂ قل هو الله أحد بھی اسی خصوصیت کا مالک ہے۔ بہت کم ایسی سورتیں ہیں جن کے اس سورہ کی طرح متعدد نام ہوں۔ لہذا اس کے کثیر نام اس کی عظمت اور بزرگی کو آشکار کرتے ہیں۔ ہم اس کے بیس سے زیادہ ناموں میں سے پندرہ نام اور انکی وجۂ تسمیہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ سورۂ توحید

کیونکہ اصل توحید، تمام دینی اصولوں کی بنیاد ہے اسی لئے اس سورہ کا نام توحید بیان کیا ہے۔ (۱)

جیسا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔

ہر وہ شخص جو سورہ قل هو الله أحد کو پڑھے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرے تو گویا وہ توحید کو جاننا چاہتا ہے۔ (۲)

---

(۱) آلوسی روح المعانی جلد ۱۵، ۲۶۵ (۲) نور الثقلین جلد ۵

۲۔سورۂ اخلاص

خالص کا معنیٰ صاف ستھرا اور منزہ و مبرا ہونا ہے چونکہ خداوند متعال کی ذات ہر عیب و نقص سے پاک و پاکیزہ ہے۔ چونکہ وہ اس سورہ کی وجہ سے بہت سے شروں سے نجات اور چھٹکارا دلاتا ہے اسی وجہ سے اسے سورۂ اخلاص کہا گیا ہے۔(۱)

اسی طرح اس سورہ کے وجہ تسمیہ کے متعلق یہ بیان ہوا ہے اس میں توحید کے علاوہ کچھ بیان نہیں کیا گیا اور کلمہ توحید کو کلمہ اخلاص کہا جاتا ہے۔(۲)

چونکہ کلمۂ توحید اس پوری سورہ کا خلاصہ ہے اس وجہ سے اسے بھی سورۂ اخلاص کہا گیا ہے۔(۳)

۳۔سورۂ معرفہ

اس سورہ سے ہمیں یہ معرفت اور شناسائی حاصل ہوتی ہے کہ خدا کی پہچان کے سلسلے میں ہمارا کون کون سا عمل درست ہے اور کون کون

---

(۱) غرائب القرآن ج ۱۵ ص ۲۱۷

(۲) منہج الصادقین ج ۱۰ ص ۳۹۰

(۳) فصل الخطاب جلد ۷ ص ۶۷۷

سا عمل درست نہیں ہے۔ جیسا کہ جابر نے روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص نے نماز میں قل هو الله أحد کو پڑھا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هذا عبد عرف ربّه

اس بندہ نے اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کرلی ہے۔

اسی وجہ سے اس کا نام سورۂ معرفت ہے۔(۱)

۴۔سورۂ نسبۃ الربّ

اس سورہ مبارکہ کا ایک نام سورۂ نسبت ربّ ہے، جیسا کہ روایت میں ہے:

لكلّ شيئ نسبة ونسبة الربّ سورة الإخلاص

ہر چیز کی کوئی نہ کوئی نسبت ہوتی ہے (تا کہ اس کی پہچان ہو سکے) نسبت پروردگار عالم سورۂ اخلاص ہے۔

اسی طرح حضرت امیر المؤمنینؑ کا ارشاد گرامی ہے۔

---

(۱) تفسیر کبیر ج۸ ص۵۳۰، غرائب القرآن ج۱۵ ص۲۱۷ اور روح المعانی ج۱۵ ص۲۶۵

نسبة الله عزّ وجلّ قل هو الله أحد

اللہ جل شانہ کی نسبت قل هو الله أحد ہے۔(۱)

۵۔سورۂ تجرید

اس سورہ کا ایک نام سورۂ تجرید ہے یعنی خدا واحد وتنہا ہے کوئی اور چیز اسکے ساتھ نہیں ہے۔

٦۔سورۂ معوّذہ

اس سورہ کا ایک نام معوّذہ ہے یعنی شیطانی وسوسوں، غلط کاریوں سے خداوند عالم کی پناہ میں آنا اور ہوا و ہوس سے نجات حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرزندان حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی حفاظت کیلئے چار قل پڑھنے کا کہا یعنی قل یا أیها الکافرون ، قل هو الله أحد ،قل أعوذ برب الناس اور قل أعوذ برب الفلق سے تمام شرور سے محفوظ رہنے کا بتایا۔(۲)

---

(۱) معانی الاخبار ص

(۲) تفسیر کبیر ج۸ ص۵۳۰، غرائب القرآن ج۱۵ ص۲۱۷ اور روح المعانی ج۱۵ ص۲٦۵

۷۔سورۂ نجات

اس کی علت یہ ہے کہ یہ سورہ انسان کو کفر اور شرک سے نجات دیتا ہے۔اور دنیا وآخرت میں آگ سے محفوظ رکھتا ہے۔(۱)

۸۔سورۂ جمال

جیسا کہ حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ خداوند عالم با جمال اور خوبصورت ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے، اصحاب نے خدا کی زیبائی اور جمال کے متعلق پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

أحد، صمد، لم یلد ولم یولد

(خدا کی زیبائی اور جمال یہ ہے) کہ وہ احد، لاشریک، بے نیاز ہے نہ وہ جنا گیا ہے اور اس نے کسی کو جنا ہے۔(۲)

۹۔سورۂ حضر

اس سورہ کا نام حضر اس لئے ہے کہ جب کوئی شخص اس سورہ کی تلاوت کا شرف حاصل کرتا ہے تو اسے سننے کیلئے فرشتے اس کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) روح المعانی جلد ۱۵

(۲) غرائب القرآن ۱۵

۱۰۔سورۂ مذکرہ

جب بھی کوئی شخص اس سورہ کی تلاوت کرتا ہے تو یہ اسے خدا کی یاد اور ذکر میں مگن اور محو کر دیتی ہے۔(۱)

۱۱۔سورۂ نور

حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمان ہے کہ ہر چیز کا نور ہے اور نور قرآن قل ھو اللہ أحد ہے۔(۲)

۱۲۔سورۂ ولایت

جو شخص بھی اس سورہ کی تلاوت کرے گا وہ اولیاء خدا سے محسوب ہو گا یا جو خدا کی اسطرح معرفت حاصل کرے گا جس طرح سورہ میں ہے تو اللہ اس سے محبت کرے گا۔(۳)

۱۳۔سورۂ ایمان

کیونکہ کسی شخص کا اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ

---

(۱) کبیر جلد ۸، روح المعانی ۱۵

(۲) کبیر جلد ۸، روح المعانی ۱۵

(۳) غرائب القرآن (الولایة: لأنّ من قرء ها صار من أولیاء اللّٰہ)

اس سورہ کے مطابق خود کو نہ ڈھال لے۔

۱۴۔ سورۂ صمد

پورے قرآن مجید میں یہ کلمہ صرف خدا کی ذات کیساتھ خاص ہے اور چونکہ اس سورہ میں بھی استعمال ہوا ہے اسلئے اسے سورہ صمد سے تعبیر کیا گیا ہے۔(۱)

۱۵۔ سورۂ خزانہ

جیسا کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ خداوند متعال نے شب معراج حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا۔ میں نے تجھے یہ سورہ عطاء کر کے عرش کے خزانے تمہارے سپرد کر دیئے ہیں۔

۱۶۔ سورۂ منفرہ

کیونکہ جب بھی کوئی اس سورہ کو سنتا ہے اسے شیطان سے نفرت ہو جاتی ہے۔(۱) اس کے علاوہ کتب تفاسیر میں اس مبارک سورہ کے کئی اور نام بھی بیان ہوئے ہیں جیسے سورۃ المانعة، سورۃ البرائة، سورۃ الأمان، سورۃ التفرید و سورۃ الأساس وغیرہ

---

(۱) منہج الصادقین ۱۰، کبیر ج ۸

شان نزول

اس سورۂ مبارکہ کے شان نزول کے سلسلے میں اہلسنت اور شیعہ حضرات تقریباً ایک مضمون پر متفق (۱) ہیں کہ یہ سورہ مختلف گروہوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے متعلق سوال کرنے کی وجہ سے نازل ہوا (۲) وہ لوگ رسول خدا کی خدمت میں آکر پوچھتے تھے کہ ہمیں اللہ کا اصل ونسب بتاؤ، وہ کس چیز سے بنا ہے، اس کا خاندان کیا ہے، وہ کیسا ہے؟ تو ان کے جواب میں یہ سورہ

---

(۱) اس سورہ کے ذیل میں اہلسنت اور شیعہ تفاسیر ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) شان نزول کے حوالہ سے کافی روایات ایسی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے یہودی تھے اور بعض میں مشرکین، بعض میں عام اعرابی، بعض میں قریش مکہ، بعض میں خیبر کے یہودی، بعض میں یہودیوں کے سردار عبداللہ بن صوریا، بعض میں عبداللہ بن سلام اور بعض روایات میں سوال کرنے والے نجران کے عیسائی بیان ہوئے ہیں ان تمام روایات کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے وقتاً فوقتاً ان تمام لوگوں نے خدا تعالیٰ کے متعلق سوال کیا ہو بلکہ یہ تو اس سورہ کی عظمت ہے کہ اتنے لوگوں کے سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ قل ھو اللہ أحد

نازل ہوا،(۱) جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

إنّ اليهود سألوا رسول الله صلّى الله عليه وآله وسلّم فقالوا: انسب لنا ربّك فلبث ثلاثاً لا يجيبهم ثم نزلت قل هو الله أحد (۲)

یہودیوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقاضا کیا کہ انہیں خدا کے متعلق بتائیں آپ تین دن تک خاموش رہے اور انہیں کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ سورۂ قل هو الله أحد نازل ہوا۔

---

(۱) درالمنثور ص۴۱۰ دوسری حدیث أخبرنا عن ربّك، وصِف لنا ربّك وما هو ومن أيّ شيءٍ فأنزل الله قل هو الله أحد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد۔

(۲) المیزان جلد ۲۰ ص ۳۹۰

خصوصیات

اس سورہ کی تین خصوصیات ہیں۔

۱ ترک منع ہے

اس سورہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نماز کے دوران حمد کے بعد اگر اُسے پڑھنا شروع کر دیا جائے تو اسے چھوڑ نہیں سکتے اور اگر کوئی بھی اور سورہ شروع کیا ہو تو اسے چھوڑ کر دیگر کوئی سورہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ امر اس سورہ کی انتہائی زیادہ اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

۲ مکروہ نہیں ہے

اس سورہ کو واجب نماز کی دونوں رکعتوں میں پڑھنا مکروہ نہیں اور کسی بھی سورہ کا نماز میں حمد کے بعد دونوں رکعتوں میں تکرار مکروہ ہے۔

۳ آخری حرف دال ہے

دیگر خصوصیت یہ ہے کہ یہ قرآن کا واحد سورہ ہے کہ جس کی پہلی آیت (بسملہ) کے علاوہ بقیہ تمام آیات کا آخری حرف دال ہے۔

فضائل سورہ

اس سورۂ مبارکہ کے سات فضائل بیان کریں گے۔

۱۔ثلث قرآن کا ثواب

اس سورہ کی تلاوت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی ایک تہائی آیات قرآن (۱) کی تلاوت کرنے والے کا ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

---

(۱) اس مطلب پر بہت سی روایات بیان کی گئی ہیں انہیں ابی درداء ابن عمر، جابر، ابن مسعود، ابی سعید خدری، معاذ بن انس، ابی ایوب، ابی امامہ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ان کیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: أیعجز أحدکم أن یقرأ ثلث القرآن في لیلة کیا ایک رات میں کوئی ایک ختم قرآن پڑھنے سے عاجز ہے؟ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ ایسا بہت مشکل ہے تو حضرتؐ نے ارشاد فرمایا: اقرؤا قل ھو اللّٰہ أحد سورۂ قل ھو اللّٰہ أحد پڑھا کرو۔

من قرأ سورة قل هو الله أحد فكأنما قرأ ثلث القرآن وأعطى من الأجر عشر حسنات لعدد من أشرك بالله وآمن بالله (۱)

جو شخص سورۂ قل هو الله أحد کی تلاوت کرے گا وہ اس طرح ہے جیسے اس نے ثلث قرآن کی تلاوت کی ہے اور اسے مؤمنین اور مشرکین کی تعداد کے دس برابر اجر دیا جائے گا۔ اس سورہ کے ایک تہائی قرآن ہونے کے متعلق مفسرین نے بہت سی وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے ایک بہترین وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید تین اصولوں کو بیان کر رہا ہے

۱۔ توحید ۲۔ نبوت ۳۔ قیامت

اور یہ سورہ ان تین اصولوں میں سے ایک کا خلاصہ ہے یعنی قرآن کا ایک تہائی توحید کے متعلق ہے اور یہ سورہ، اس توحید کی بحث کا مکمل خلاصہ ہے۔

۲۔ صد شہداء کے برابر ثواب

اس مبارک سورہ کی تلاوت بہت بڑا ثواب ہے جیسا کے حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

---

(۱) نور الثقلین ج ۵ ص ۶۹۹

من قرأ قل هو الله أحد مرّة واحدة أعطي من الأجر كمن أمن بالله و ملائكته وكتبه ورسله وأعطي من الأجر مثل مأة شهيد

قل هو الله أحد کی ایک مرتبہ تلاوت کرنے والے کو اللہ پر، اسکے ملائکہ پر، اسکی کتب پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے کا ثواب نصیب ہوگا اور اس کا اجر ایک سو شہیدوں کے برابر ہے۔

۳۔ بخشش کا ذریعہ

اگر انسان اس سورہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو حضرت رسول اعظم اس شخص کی بخشش کی بشارت دیتے ہیں۔ روایت میں ہے کہ حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کو اس طرح مناجات کرتے ہوئے سنا: ''أسألك يا الله يا أحد يا صمد يا من لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً أحد''

پروردگارا! میں تجھ سے سؤال کرتا ہوں اے وہ لاشریک ذات، اے بے نیاز ہستی، ایسی ذات جسکی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اے وہ ذات جسکا کوئی ہمسر نہیں ہے، میری مراد برلا! حضرت نے یہ دعا سن کر ارشاد فرمایا:

غفرلك غفرلك غفرلك

آپ نے تین مرتبہ فرمایا تیرے لئے بخشش ہے، تو معاف ہو چکا ہے اور مغفرت کا حقدار ہے۔

۴۔ فقر و فاقہ سے نجات

اس مبارک سورہ کی تلاوت سے انسان کو فقر و فاقہ اور تنگدستی سے نجات ملتی ہے اور اس کی پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے فقر اور غربت کی شکایت کرنے لگا تو حضرت نے ارشاد فرمایا جب تم اپنے گھر جاؤ وہاں اگر کوئی ہو تو اسے سلام کرو اگر کوئی بھی موجود نہ ہو تو اپنے لئے سلامتی چاہو اور وہاں ایک مرتبہ قل هو الله أحد کی تلاوت کرو، اس شخص نے حضرت کے فرمان کے مطابق عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس قدر رزق عطا فرمایا کہ وہ اس سے اپنے ہمسائیوں کو بھی فیض پہنچانے لگا۔

۵۔ قاری کا مقام

اس سورہ کو کثرت سے تلاوت کرنے والا بہت بڑی عظمت کا مالک ہے اور حضرت جبرئیل جیسے بلند پایہ فرشتے اسے اس دنیا کی نسبت زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

جیسا کہ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے وہاں سے حضرت ابوذر غفاریؓ کا گذر ہوا، حضرت جبرئیل نے کہا: یہ آنے والا شخص ابوذرؓ ہے حضرت نے پوچھا: تم کیسے جانتے ہو؟ جبرئیلؑ نے کہا: اس شخص کی اس دنیا کی نسبت ہمارے ہاں زیادہ شہرت ہے، حضرت نے ابوذرؓ سے پوچھا: اس فضیلت اور مقام کی کیا وجہ ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے عرض کی اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنے نفس کو حقیر سمجھتا ہوں اور قل ھو اللہ أحد کی تلاوت کثرت سے کرتا ہوں۔

۶۔ نماز جنازہ میں فرشتوں کی شرکت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام روایت بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سعد ابن معاذؓ کی نماز جنازہ پڑھی تو آپ نے ارشاد فرمایا جب اس کے جنازہ پر ستّر ہزار فرشتوں نے جبرئیل کے ساتھ ملکر نماز پڑھی تو میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ اس کے کس عمل کی وجہ سے آپ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے ہیں؟

جبرئیل نے جواب دیا: یہ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، اور سوتے وقت قل ھو اللہ أحد پڑھا کرتا تھا اس لئے ہم اس کے جنازہ میں شریک

ہوئے ہیں۔

۷۔تلاوت نہ کرنے کی سزا

اس سورہ کی ہر روز کی نمازوں میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور تلاوت کرنا چاہیئے کیونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من مضیٰ به یوم واحد فصلّی فیه خمس صلوات ولم یقرأ بقل هو الله أحد قیل له یا عبدالله لست من المصلّین (۱)

کسی شخص کو پورا ایک دن اور رات گذر جائے اور وہ پنجگانہ نمازوں میں قل هو الله أحد کی تلاوت نہ کرے تو اس سے کہا جائے گا :

اے بندۂ خدا! تو نماز گزاروں میں سے نہیں ہے۔

---

(۱) نور الثقلین ج ۵ ص ۶۹۹

تفسیر آیات
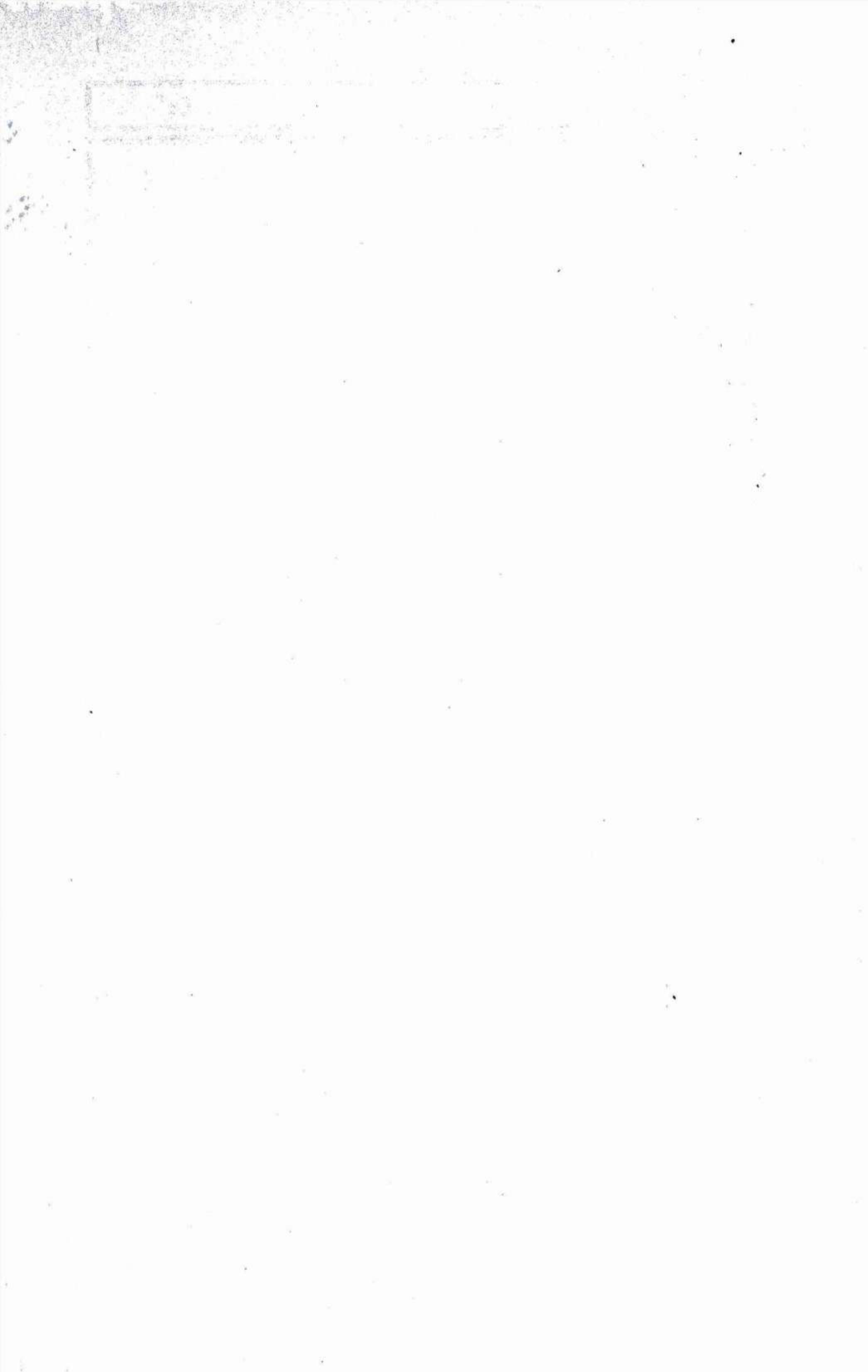
پہلی آیت

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو سبکو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔

تفسیر

اس آیت کریمہ کی تفسیر ہو چکی ہے اور فضائل و خصوصیات بھی بیان ہو چکی ہیں۔

دوسری آیت

﴿قل هو الله أحد﴾

کہدو وہ اللہ یگانہ (یکتا و بے مثال) ہے۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں دو تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

۱۔ یکتا و بے مثال

خداوند متعال فرما رہا ہے (کہ میرے بارے میں پوچھنے والوں سے) کہدو میرا خدا اتنی انفرادیت رکھتا ہے کہ ہر تصور ہونے والی شیٔ اور معنی سے ما سوا ہے۔ وہ سب سے برتر ہے۔ وہ اپنی انفرادیت میں بھی منفرد ہے۔ اس کی ذات ہر ذات سے جدا ہے۔ اس کی صفات ہر صفت سے الگ ہیں۔ اس کی تخلیق ہر ایجاد سے فرق رکھتی ہے۔ اس کے افعال ہر کام سے مختلف ہیں۔ اس کی پہچان ہر چیز کی شناخت سے بالاتر ہے۔ وہ اپنی عظمت میں بھی اعظم ہے۔ وہ اپنی وحدانیت میں احد ہے۔ احد بس وہی ہے۔ (احد کا لفظ اسی کیلئے خاص ہے۔)

مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں مختلف مفاہیم پیش کئے ہیں۔ مگر وہ مفاہیم خدا کی احدیت پر منطبق نہیں ہیں۔ چونکہ خدا کی احدیت اس کی

ذات ہے جسکی حقیقت تک پہنچنا طاقت بشری سے بالاتر ہے۔اسی لئے ہم بھی ظاہری مفہوم بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بہرحال اس آیت میں خدا کی احدیت بیان ہوئی ہے اور اس سورہ کی آخری آیت میں خدا کی وحدانیت کا ذکر ہے۔

۲۔مخفی ذات

ذات الٰہی کی حقیقت کو درک کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔اس کی لامتناہی ذات عقل وادراک سے ماوراء ہے۔انسانی محدود عقل تو بہت سی مخلوقات کی حقیقت کو درک کرنے سے عاجز ہے۔بلکہ بہت سی محسوس ہونے والی چیزوں کو بھی آج تک سمجھ نہیں پائی ہے۔

لہٰذا اس کی رسائی اس ذات کی حقیقت تک کیسے ہوسکتی ہے جو لامحدود، لامکان اور لازمان ہو کیونکہ ایک محدود شئے کسی لامحدود کا احاطہ کیونکر کر سکتی ہے۔

ذات خداوندی انتہائی خفاء میں ہے اور انسانوں کی محدود سوچ اور فکر کی دسترسی سے باہر ہے۔اسی لئے جب پیغمبر اکرمؐ سے پوچھا گیا کہ آپکا خدا کیسا ہے؟ تو اس سوال کے جواب کی غرض سے یہ سورہ نازل ہوا کہ ضمیر کے ساتھ مخفیانہ طور پر تعارف کا آغاز فرمایا ہے کہ کہہ دو کہ هو الله أحد یہ

مفرد غائب کی ھو ضمیر اسی لئے لائی گئی ہے تا کہ بتایا جائے کہ اس کی ذات تم لوگوں کے لئے مبہم ہے۔ اس کا فہم تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ کہہ کر اس ناشناختہ ذات کا تعارف کروایا جا رہا ہے۔ وہ اللہ ہے۔ اللہ اسم خاص ہے جو خدا کی تمام صفات جمال و جلال کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ لہٰذا خدا کی شناخت اس نام کی حد تک انسانیت کے لئے ممکن ہے۔ خدا کی ذات آنکھوں کے دیکھنے سے غائب اور عقل کے درک سے باہر اور حواس کے لمس سے دور ہے۔

اسی لئے معصومؑ کے فرمان میں ہے:

یا ھو یا من لا ھو إلاّ ھو (۱)

پھر آیت کے اختتام پر أحـــد کہہ کر یہ کہا جا رہا ہے کہ پھر بھی وہ کسی مخلوق کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ یکتا اور بے مثال ہے۔ وہ اپنی ذات میں منفرد ہے۔ اسی طرح سورہ کے آخر تک انسانی عقل کو خدا کی معرفت کی مقدور منزلیں طے کرائی گئی ہیں۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۳ ص ۱۲۲ حدیث ۱۲

تیسری آیت

﴿اللہ الصمد﴾

اللہ وہ مالک ہے جسکی طرف سب حاجت مند رخ کرتے ہیں۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں ایک تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

بے نیاز ذات

خداوند متعال کی بابرکت ذات مکان، مکانیات، جسم وجسمانیات اور زمان وزمانیات سے منزہ ومبرا ہے۔ وہ مخلوق کی تمام صفات سے بے نیاز ہے۔ اس میں کسی قسم کے تغیرات کون ومکان نہیں ہیں۔ اس عالم وجود وتصور میں ہر قسم کی حاجت کے وقت خدا تعالیٰ کی ذات صمد ہے۔ یعنی کائنات کی جس چیز کا بھی قصد کرلیں اس کی انتہا خدا کی ذات ہے۔ اور ہر قسم کے مسائل اور مشکلات میں خدا کی ذات ہی حاجت روا ہے۔

اس سورہ میں خدا کی وحدانیت اور حقیقت ذات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ وہ واحد ویکتا ہونے کے ساتھ ساتھ بے نیاز بھی ہے۔ اس کی بے نیازی کے تمام پہلو لفظ صمد میں پوشیدہ ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ اہل بصرہ نے حضرت

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھا اور صمد کے معانی دریافت کئے ۔حضرت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

بسم الله الرحمن الرحيم أما بعد فلا تخوضوا في القرآن ولا تجادلوا فيه ولاتتكلموا فيه بغير العلم فقد سمعت جدّي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلّم يقول: من قال في القرآن بغير العلم فليتبوّء مقعده من النار، إنّ الله سبحانه فسّر الصمد فقال الله أحد، الله الصمد ثمّ فسّره فقال لم يلد ولم يولد، ولم يكن له كفواً أحد

بسم الله الرحمن الرحيم امابعد قرآن میں آگاہی کے بغیر بحث وگفتگو نہ کرو کیونکہ میں نے اپنے نانا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص علم کے بغیر قرآن کے بارے بات کریگا تو اسے اپنے معین شدہ مقام پر آگ میں جلنا ہوگا۔ خداوند متعال نے خود ہی صمد کی تفسیر بیان کی ہے جب اس نے بتایا کہ اللہ یگانہ ہے اور بے نیاز ہے تو اس نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اسے نہ کسی نے جنا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی مثل ونظیر ہے۔(۱)

---

(۱) میزان ج ۲۰ ص ۳۹۱

خدائے صمد کسی چیز سے وجود میں نہیں آیا۔ نہ ہی وہ کسی چیز کے اندر موجود ہے اور نہ کسی چیز کے اوپر قرار پایا ہے۔ وہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور خالق ہے۔ تمام چیزوں کو وہی اپنی قدرت سے وجود میں لاتا ہے۔ جن چیزوں کو اس نے فنا کے لئے پیدا کیا ہے وہ اس کے ارادہ سے پاش پاش ہو جائیں گی اور جسے بقاء کے لئے پیدا کیا ہے وہ اس کے علم سے باقی رہیں گی۔ (۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ:

میرے بابا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فلسطین کے ایک وفد کے جواب میں الصمد کی اس طرح تفسیر بیان کی الصمد پانچ حروف پر مشتمل ہے۔

الف: خدا کی وحدانیت وحقیقتِ ذات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ازلی وابدی ہے جیسا کہ خداوند عالم کا فرمان ہے: شهد الله أنه لا إله إلاّ الله یعنی اس ذات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو حواس اور ادراک کی رسائی سے بہت دور ہے۔

لام: خدا کی الوہیت کی طرف اشارہ ہے کہ وہی اللہ لائق عبادت ہے

---

(۱) مجمع البیان ج ۱۰ ص ۵۶۶

الف اور لام مل کر زبان وسماعت میں ظاہر نہیں ہوتے لیکن کتابت میں ظاہر ہوتے ہیں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کی حقیقتِ ذات لطیف اور مجرد ہے۔ حواس کی رسائی سے مخفی ہے۔ کوئی زبان کما حقہ اس کا وصف بیان نہیں کرسکتی۔ نہ کسی نے اس کی کما حقہ توصیف سنی ہے۔ کیونکہ ''الــــــہ'' ایسی ذات ہے کہ تمام مخلوق اپنے حس، وہم اور خیال سے اس کا ادراک کرنے سے عاجز ہے۔ وہی اوہام وحواس کا خالق و مالک ہے۔

لکھنے میں الـــــــــص پر الف ولام کا ظاہر ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے اپنی ربوبیت کا اظہار تمام خلائق (انفس وآفاق) کے پیدا کرنے اور ارواح لطیفہ کو اجسام کثیفہ سے منسلک کرنے میں کیا ہے۔

صاد: اس سے خدا کی صداقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا قول وکلام (قرآن) صدق ہے اس نے لوگوں کو بھی صدق کی اتباع کرنے کو فرمایا ہے۔ اس نے صدق (جنت) کا وعدہ کیا ہے اور ہمیشہ صدق کا ارادہ کرتا ہے۔

میم: اس کے ملک وسلطنت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی سلطنت حق ہے۔ اس کے لئے ماضی ومستقبل میں عدم وزوال کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کی سلطنت ازلی، ابدی اور سرمدی ہے۔

دال: خدا کے ملک وسلطنت کے دوام کی طرف اشارہ ہے کیونکہ خدا دائم ہے اور اس کی ہمیشگی اس کی صفت ذات ہے جس کے لئے زوال نہیں

ہے۔ وہ فساد و زوال سے پاک ہے۔ پوری کائنات کا موجد خالق ہے۔ اس کے ایجاد و تکوین سے تمام موجودات ثابت اور موجود ہیں ۔ اس کے بعد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

لو وجدت لعلمي الّذي أتاني الله حلمة لنشرت التوحيد والإسلام والدين والشرائع من الصمد

خداوند متعال نے مجھے علم کا جو سمندر عطا فرمایا ہے اگر کوئی اسے برداشت کرنے والا ہوتا تو میں اس لفظ صمد سے توحید، اسلام، دین اور تمام شریعتوں کے مسائل نشر کرتا۔

اس حدیث کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں مگر میرے لئے انہیں بیان کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے جیسا کہ میرے جد امجد حضرت علی علیہ السلام نے بھی اپنے علم کا برداشت کرنے والا کسی کو نہ پایا تھا یہاں تک کہ آپ منبر پر یہ فرماتے رہے: سلوني قبل أن تفقدوني فانّ بين الجوانح منّي علماً جمّاً هاه هاه (۱)

مجھ سے جو چاہو پوچھو، اس سے پہلے کہ میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں میرے پاس علم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر رہے۔

---

(۱) مجمع البیان ج ۱۰ص ۵۶۶

چوتھی آیت

﴿لم یلد ولم یولد﴾

نہ تو اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ کسی نے اسے جنم دیا۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں ایک تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

باطل نظریہ کا ردّ

اس آیت میں خداوند متعال یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب کے باطل نظریہ کو رد فرما رہا ہے کہ جو لوگ بھی اس کے قائل ہیں کہ خداوند متعال کی بیٹیاں یا بیٹے ہیں وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ نہ تو خداوند متعال نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی کسی نے اسے جنم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربّ العزت ہے:

وخرقوا له بنين وبنات بغير علم سبحانه وتعالى عما يصفون (۱)

انہوں نے جہالت سے اس کے بیٹے اور بیٹیاں بنا ڈالیں حالانکہ وہ (اس سے) پاک اور بالاتر ہے۔

---

(۱) انعام آیت ۱۰۰

بعض مفسرین نے لم یلد ولم یولد کے وسیع معانی لئے ہیں یعنی ہر قسم کی مادی چیزیں نہ تو اس سے خارج ہوتی ہیں اور نہ یہ کسی چیز سے خارج ہوا ہے۔ اس ذات سے نہ تو بیٹے جیسی مادی چیز خارج ہوتی ہے اور نہ نفس جیسی کوئی لطیف چیز اس سے نکلتی ہے اور نہ ہی مختلف قسم کے حالات اس سے سرزد ہوتے ہیں مثلاً خواب، خیال، حزن و اندوہ، خوش ہونا، ہنسنا، رونا، خوف و رجاء، شوق و ملامت، بھوک اور سیری وغیرہ جیسی کوئی چیز بھی اس سے صادر نہیں ہوتی۔ اس کی ذات ان تمام چیزوں سے بلند و بالا اور پاک و پاکیزہ ہے۔ اس سے بھی منزہ و مبرا ہے کہ وہ کسی مادی چیز سے جنم لے۔ جسطرح ایک زندہ موجود دوسرے زندہ موجود سے خارج ہوتا ہے مثلاً گھاس کا زمین سے، پانی کا چشمہ سے، پھل کا درختوں سے اور لطیف اشیاء کا اپنے منابع سے مثلاً نگاہ کا آنکھ سے، سماعت کا کان سے، سونگھنے کا ناک سے، چکھنے کا منہ سے، گفتگو کا زبان سے، معرفت و شناخت کا دل سے اور آگ کا چنگاری سے نکلنا اور خارج ہونا ہے(۱) اس جیسے تمام امور اس ذات سبحان کے بارے نا قابل تصور ہیں۔

بہر حال یہ وسیع معنی پہلے ظاہری معنی کے تجزیہ و تحلیل سے قابل درک

---

(۱) بحار الانوار ج ۲ ص ۲۲۴ بحوالہ تفسیر نمونہ

ہے کہ خدا کا بیٹا نہیں ہے کیونکہ وہ مادی عوارض سے پاک ومنزہ ہے اسی طرح اس آیت کے ذریعہ خدا نے تثلیث (تین خداؤں) کے قائل لوگوں کے باطل نظریہ کو بھی رد فرمایا ہے جو کہتے ہیں کہ ایک باپ خدا ہے، ایک بیٹا خدا ہے اور روح القدس ہے۔

یہود ونصاریٰ کے باطل نظریے کو قرآن مجید اسطرح بیان کررہا ہے کہ:

وقالت الیهود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ ذٰلک قولهم بأفواههم یضاهئون قول الذین کفروا من قبل قاتلهم اللہ یؤفکون (۱)

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں، ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے ان پر خدا کی لعنت ہو یہ حق سے کیسے منحرف ہو جاتے ہیں۔

زیر نظر آیت بھی ان کے اس باطل نظریے کو رد کرتی ہوئی ارشاد فرما رہی ہے کہ خداوند عالم نے نہ تو کسی کو جنم دیا ہے اور نہ ہی کوئی اس کو پیدا کرنے والا ہے بلکہ وہ تو ہر قسم کی مادی عوارض سے پاک وپاکیزہ ہے۔

---

(۱) آیت

پانچویں آیت

﴿ولم یکن لہ کفواً أحد﴾

اوراس کا کوئی بھی ہمسر نہیں۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں ایک تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

لاشریک ذات

کائنات کی تربیت اور اس کی تخلیق کی منزل میں کوئی دوسرا نہیں ہے جو اس کا شریک ہو یا اس عظیم ربّ کی ذات اور صفات میں مماثلت رکھتا ہو۔ اس مقدس ذات کے ساتھ پوری کائنات کسی قسم کی مشابہت نہیں رکھتی ہے۔ خدا کی ذات، صفات اور افعال میں کوئی بھی اسکا مثل اور نظیر نہیں ہے۔ وہ ذات ہر لحاظ سے بے مثل اور بے نظیر ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ ارشاد فرماتے ہیں:

لم یلد: فیکون مولوداً، لم یولد، متبصراً محدوداً ولا کفث له فیکافئه ولا نظیر له فیساویه (۱)

---

(۱) نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۸۶۔

اس کا کوئی مثل اور نظیر نہیں ہے کہ وہ اس کا ہم پلہ ہو جائے اس لئے کسی شبیہ کا تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے مساوی ہو جائے۔

بہر حال کفواً کا معنی صرف ہمسر نہیں ہے بلکہ یہ معنی عام ہے اور ہمسر اور غیر ہمسر دونوں کو شامل ہے یعنی کوئی بھی خداوند متعال کی ذات، صفت اور فعل میں اس کی مشابہت نہیں کرتا اور وہ وحدہ لاشریک ہے۔

اس کائنات میں شرک کی زیادہ سے زیادہ آٹھ اقسام ہیں۔

(۱،۲) کثرت وعدد کے لحاظ سے (۳،۴) نقص اور تغییر کے لحاظ سے

(۵،۶) علت اور معلول کے لحاظ سے (۷،۸) اشباہ اور اضداد کے لحاظ سے

سورہ توحید، پروردگار عالم کی ذات سے ان تمام اقسام میں سے کسی بھی قسم کے شرک سے نفی کر رہی ہے۔

کثرت اور عدد کی نفی کرنے کے لئے قل ھو اللہ احد استعمال کیا گیا ہے۔ تغیر اور نقص کی اللہ الصمد کیساتھ نفی کی گئی ہے اور علت و معلولیت میں شرک سے دوری کے لئے لم یلد ولم یولد لایا گیا ہے، ہم مثل نظیر، مانند اور معارض کی نفی کیلئے لم یکن لہ کفواً احد کہا گیا ہے۔(۱)

---

(۱) مجمع البیان ج ۱۰ ص ۵۶۷

بہر حال یہ انتہائی مختصر سا سورہ، قرآن کے معجزہ اور اسلام کے توحید خالص کے نظریے کی کس خوبصورتی کے ساتھ تصویر کشی کر رہا ہے۔ ہر قسم کے شرک سے دوری کا اظہار کر رہا ہے خواہ شرک کی وہ صورتیں قرآن مجید کے نزول کے زمانے میں موجود تھیں (جیسے بت پرستی وغیرہ) یا نہیں تھیں۔ انہیں بیان کر رہا ہے۔ ہر قسم کی ایسی پرستش اور عبادت کہ جس میں کوئی کسی بھی عنوان سے خدا کا کوئی شریک قرار دے ان سب کی نفی کر رہا ہے یعنی بت پرستی، زردشتیوں کے نظریہ کے مطابق ثنویت، عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق تثلیث، یہودیوں کے خیال کے مطابق کہ خدا بیٹا ہے اور دوسرے بدعقیدہ لوگوں کے نظریہ کے مطابق کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں یہ سورہ مختصر ہونے کے باوجود ان سب کی نفی کر رہا ہے اور خالص توحید کا درس دے رہا ہے۔

سورۂ فلق

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

قل أعوذ بربّ الفلق من

شرّ ما خلق ومن شرّ

النفثٰت في العقد ومن

شرّ غاسق إذا وقب ومن

شرّ حاسد إذا حسد

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض
پہنچانے والا بڑا مہربان ہے کہہ دیجئے
میں شگافتہ کرنے والے پروردگار کی پناہ
لیتا ہوں ہر مخلوق کی برائی سے اور ہر
مزاحمت کرنیوالے کے شر سے جب وہ
تاریکی میں وارد ہو اور لگائی بجھائی کرنے
والوں کے شر سے نیز ہر حسد کرنے والے
کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

تعارف

تعداد آیات: ۶ عدد　　تعداد کلمات: ۲۳　　تعداد حروف: ۷۴

نام　　: فلق۔

وجہ تسمیہ　　: پہلی آیت میں لفظ فلق آیا ہے۔

مقام نزول　　: مکہ، گرچہ کچھ مفسرین نے مقام نزول مدینہ کہا ہے۔

سبب نزول　　: دنیاوی شر سے پناہ کی ضرورت۔

شان نزول　　: پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے تو انکی صحت یابی کی خاطر نازل ہوا۔(۱)

تاریخ نزول　　:

ترتیب نزول: یہ سورہ فیل کے بعد اور سورۂ ناس سے پہلے نازل ہوا ہے۔

---

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: انہ وعد رسول اللہ فأتی جبرئیل بهاتین السورتین فعوّذه بهما تفسیر قمی ج ۲ ص ۴۵۴۔

فلق اور ناس کے مشترکات

ان دونوں سورتوں کا لب ولہجہ ایک ہے اسکے علاوہ بھی اسکے درج ذیل مشترکات ہیں۔

ا۔نام

معوّذتین

ان دونوں سورتوں کو معوذتین کہہ کر پکارا گیا ہے کیونکہ ان دونوں سورتوں میں اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

من أوتر بالمعوّذتين و قل هو الله أحد قيل له يا عبدالله ابشر فقد قبل الله وِترك (۱)

جو شخص نماز وتر میں معوذتین (فلق وناس) اور قل هو الله أحد کو پڑھے گا تو اسے کہا جائے گا، اے عبد خدا! تجھے بشارت ہو اللہ نے تیری نماز وتر قبول کر لی ہے۔

---

(۱) مجمع البیان ج ۱۰ ص ۵۶۷ اور نور الثقلین ج ۵ ص ۷۱۶۔

۲۔شان نزول

ایک تحقیق

ان دونوں سورتوں کے شأن نزول کے متعلق بعض تفسیروں میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ کسی یہودی نے آپ پر جادو کردیا، آپ بیمار پڑ گئے، حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے انہوں نے کنویں میں چھپائے گئے جادو کے آلات کی نشاندہی کی، ان آلات کو باہر نکالا گیا، اس پر گیارہ گرہیں تھیں ان دونوں سورتوں کی آیات تلاوت کی گئیں ایک ایک کرکے سب گرہیں کھل گئیں، اس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت بہتر ہوگئی۔

یہ اور اس قسم کی دوسری روایتیں درست نہیں ہیں۔ ان کی سند بھی ناتمام ہے اور ان کی دلالت بھی ناقص ہے۔ کیونکہ مشہور قول کے مطابق یہ مکّی سورتیں ہیں اور یہودیوں سے حضرت کا واسطہ مدینہ میں پڑا۔

نیز اگر جادوگر اتنی آسانی سے آپ پر جادو کرسکیں کہ آپ بیمار پڑ جائیں تو پھر وہ جادو کے ذریعہ آپ کو رسالت جیسے عظیم مقصد سے بھی روک

---

(۱) فرقان آیت ۸

سکتے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید واضح طور پر اس کی نفی کر رہا ہے اور حضرت کی طرف جادو کی نسبت دینے والوں کو ظالم کہہ کر پکار رہا ہے سورہ فرقان میں ارشادربّ العزت ہے:

﴿قال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا﴾(۱)

ظالموں نے کہا! تم ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔

لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپؐ پر جادو ہوا ہے مزید دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت ایک عقیدہ ہے اور عقیدہ ہمیشہ یقین کے ساتھ اخذ کیا جاتا ہے، کسی بھی عقیدہ کو اس جیسی غلط روایات کے ساتھ نہیں مانا جاتا اور قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے بھی ان روایات پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ خصوصیات

ا۔ بے نظیر سورتیں

قرآن مجید کی یہ دونوں سورتیں بے مثل اور بے نظیر ہیں پورے قرآن میں ان جیسی دوسری آیات نہیں ہیں جیسا کے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أنزلت عليّ آيات لم ينزّل مثلهنّ: المعوّذتان (۱)

مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ اور کوئی آیات ان کی مثل نہیں ہیں جو دو سورتوں، فلق اور ناس کی آیات ہیں۔

جیسا کے دوسرے مقام پر آپ اپنے ایک صحابی سے ارشاد فرماتے ہیں: کیا تو چاہتا ہے کہ میں تمھیں قرآن مجید کی سب سے افضل سورتوں کی تعلیم دوں؟ اس نے عرض کیا! جی ہاں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: وہ سورتیں فلق اور ناس ہیں۔ (۲)

---

(۱) نور الثقلین ج ۵، مجمع البیان ج ۱۰ اور تفسیر قاسمی ج ۱۰ ص ۳۰۰۔

(۲) منہج الصادقین ج ۱۰ ص، در منثور ج ۶ ص ۴۱۶۔

۲۔مکمل عربی جملہ

قرآن مجید کی ان دونوں سورتوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں سے ہر ایک مکمل عربی جملہ ہیں یعنی قل أعوذ برب الفلق سے لیکر من شر حاسد إذا حسد اور قل أعوذ برب النّاس سے من الجنّة والنّاس تک ایک جملہ ہے اور ان دونوں سورتوں کو ایک ایک جملہ میں بیان کیا ہے۔(۱)

۳۔شر سے بچاؤ کی تعلیم

خداوند عالم نے ان دونوں سورتوں میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالخصوص اور عوام الناس کو بالعموم یہ تعلیم دی ہے کہ اشرار کے شر سے کس طرح بچنا ہے اور خداوند عالم کی پناہ میں کس طرح جانا ہے اور جب انسان خود کو اللہ کے حوالہ کردیگا تو اسے کائنات کے ہر شر سے امان مل جائے گی۔

۴۔تعویذ الٰہی

پورے قرآن مجید میں ان دونوں سورتوں کو حرز اور تعویذ کا نام دیا گیا

---

(۱) اعراب القرآن کریم ج ۱۰ ص ۶۲۳ اور ۶۲۵۔

ہے اور حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کو حرز الٰہی فرماتے تھے۔

جیسا کے فضیل بن یسارؒ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

إنّ رسول الله صلّى الله عليه وآله وسلّم اشتكىٰ شكوة شديدة ووجع وجعاً شديداً فأتاة جبرئيل وميكائيل عند رجليه فعوّذه جبرئيل بـ قل أعوذ بربّ الفلق وعوّذه ميكائيل بقل أعوذ بربّ الناس (۱)

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبعیت ناساز ہوئی اور انہیں کچھ تکلیف محسوس ہوئی جبرئیلؑ اور میکائیلؑ نازل ہوئے اور آپ کے قدموں کی طرف کھڑے ہوگئے جبرئیلؑ نے قل أعوذ بربّ الفلق کے ساتھ تعویذ الٰہی کیا اور میکائیل نے قل أعوذ بربّ الناس کے ساتھ حرز الٰہی پیش کیا۔

---

(۱) نور الثقلین

۴۔فضائل

ان دو سورتوں کے فضائل کا یکجا کرنا کافی مشکل ہے،ہم تبرکاً دو فضائل کو بیان کرتے ہیں۔

ا۔تمام آسمانی کتب کی تلاوت

ان دونوں سورتوں کو پڑھنے والا شخص اس طرح ہے جیسے اس نے تمام آسمانی کتابوں کی تلاوت کی ہو، یعنی صرف ان دونوں کی قرائت ۱۰۴ آسمانی صحیفوں(۱) کی قرائت ہوگی ،جیسا کہ آپؑ ارشاد فرماتے ہیں:

من قرأ قل أعوذ برب الفلق وقل أعوذ برب الناس فكأنّما قرأ جميع الكتب التي أنزلها الله على الأنبياء(۲)

جو قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس کی

---

(۱) ان ۱۰۴ کتابوں کی تفصیل کے حوالہ سے حضرت رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث حمد میں ہے۔

(۲) نور الثقلین ج ۵ ص ۷۱۶

تلاوت کرے گا گویا اس نے اللہ کی طرف سے انبیاءؑ پر نازل ہونے والی تمام کتابوں کی تلاوت کی ہے۔(۱)

۲۔ محبوب سورتیں

قرآن مجید کی ان دو سورتوں کی ایک فضیلت یہ ہے کہ خداوند عالم کے نزدیک یہ دونوں محبوب ترین سورتوں میں سے ہیں جیسا کہ حضرت امّ سلمہ کہتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من أحبّ السوَر إلى الله قل أعوذ بربّ الفلق وقل أعوذ بربّ النّاس (۲)

خداوند عالم کی محبوب ترین سورتوں میں قل أعوذ بربّ الفلق اور قل أعوذ بربّ النّاس ہیں۔

---

(۱) اس فضیلت میں یہ دو سورتیں سورۂ فاتحہ سے اشتراک رکھتی ہیں البتہ سورۂ فاتحہ اکیلی یہ فضیلت رکھتی ہے اور یہ دونوں سورتیں مل کر اس فضیلت کی حامل ہیں۔

(۲) در المنثور ج ۶ ص ۴۱۶
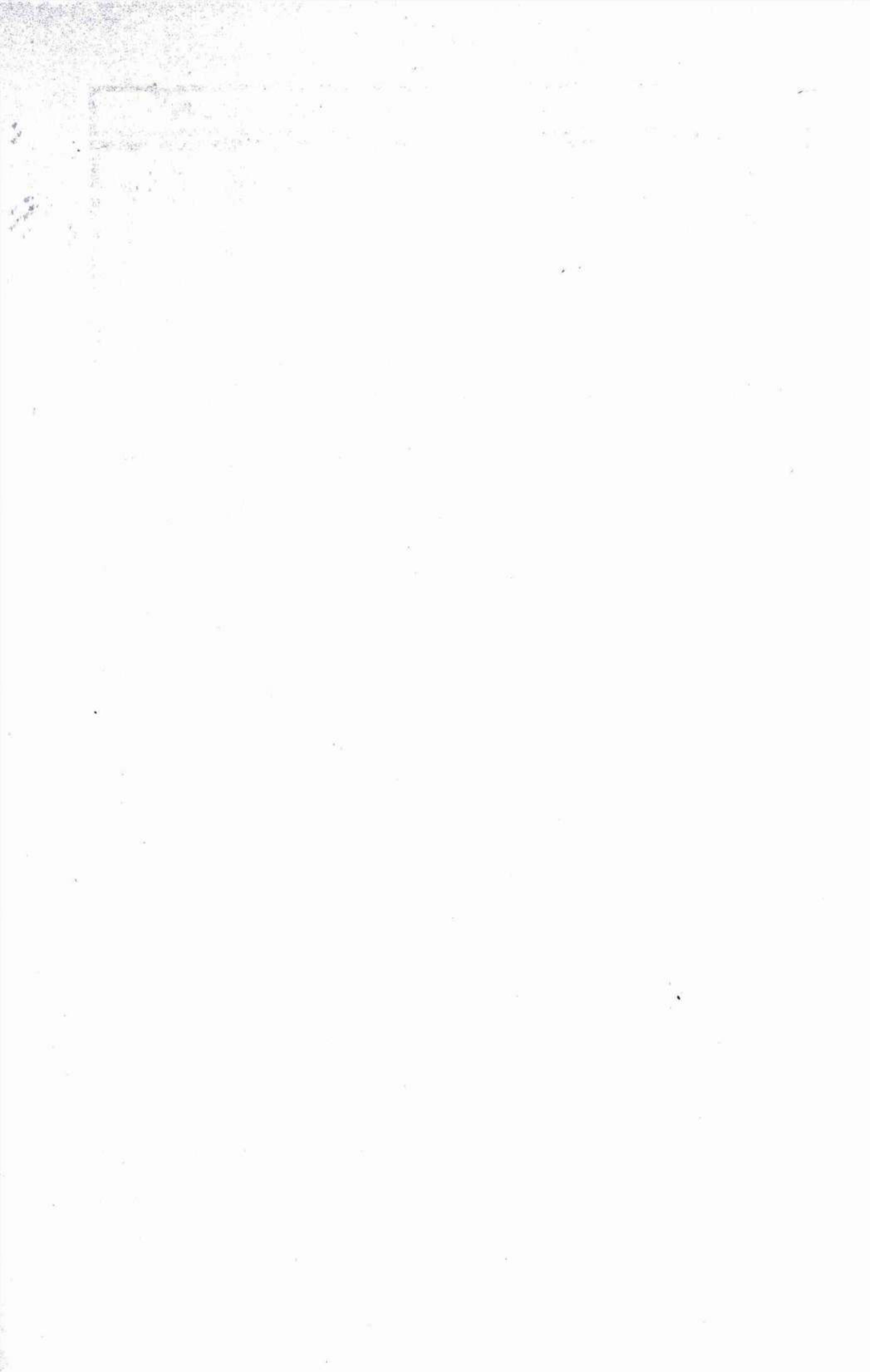
تفسیر آیات

پہلی آیت

﴿بسم اللہ الرّحمن الرّحیم﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا

مہربان ہے۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر اور خصوصیات نیز فضائل بیان ہو چکے ہیں۔

دوسری آیت

﴿قل أعوذ بربّ الفلق﴾

کہہ دیجئے میں شگافتہ کرنے والے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں ایک ہی اہم موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

شگافتہ کرنے والے خدا کی پناہ

کائنات میں خیر وشر دونوں کا وجود ہے ہر عاقل انسان شر سے نجات چاہتا ہے اور خیر کو حاصل کرنا چاہتا ہے شر سے چھٹکارا پانے کے لئے بہترین جگہ پناہ ایزدی ہے۔

اسی لئے اس آیت میں خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نمونہ اور پیشوا کے عنوان سے حکم دیا جارہا ہے کہ اس پروردگار کی پناہ میں آجاؤ جو ہر شر، برائی، ناپسندیدہ، مشکل اور نازیبا چیز کو چیر کر اس کی جگہ پر خیر، نیکی، محبوب، راحت اور خوبصورت چیز کو وجود میں لے آتا ہے تاکہ کائنات کے ہر شر اور نقصان سے محفوظ رہو۔

جیسا کہ خداوند عالم اپنے پیارے محبوبؐ سے فرماتا ہے:

قلبك لي فلا تدخل فيه حبّ غيری، ولسانك لي

فلاتذكر به أحداً غيري، وبدنك لي فلاتشغله بخدمة غيري، وإن أردت شيئاً فلاتطلبه إلاّ منّي، فإن أردت العلم فقل ربّ زدني علماً وإن أردت الدنيا فاسألوا الله من فضله، وإن خفت ضرراً فقل أعوذ بربّ الفلق فإني أنا الّذي وصفت نفسي بأني فالق الأصباح، وبأني فالق الحبّ والنوىٰ، وما فعلت هذه الأشياء إلاّ لأجلك، فإذا كنت أفعل كلّ هذه الأمور لأجلك، أفلا أصونك عن الآفات والمخافات (۱)

تیرا دل میرے لئے ہے اس میں کسی اور کی محبت نہیں سما سکتی۔ تیری زبان میرے لئے ہے اس پر کسی اور کا ذکر جاری نہیں ہوسکتا۔ تیرا بدن میرے لئے ہے اور صرف میری ہی خدمت کے لئے وقف ہے۔ اگر تجھے کسی چیز کی ضرورت ہو تو فقط مجھ سے مانگ۔

اگر تجھے علم چاہئیے تو کہہ ربّ زدني علماً۔ اگر دنیا کی خواہش ہو تو مجھ سے طلب کر (میں اپنے فضل وکرم سے عطاء کردوں گا)۔ اگر تجھے کسی ضرر وزیان کا اندیشہ ہو تو کہہ أعوذ بربّ الفلق چونکہ صرف اور صرف میں ہی

---

(۱) تفسیر کبیر ج ۳۲ ص ۱۹۱

انوار (سویروں) کا خالق ہوں، میں ہی گٹھلی اور دانہ کو شگافتہ کرنے والا ہوں اور میں نے یہ سب کچھ تیری ہی ذات کی خاطر کیا ہے۔ جب میں نے یہ تمام امور تیرے لئے انجام دیئے ہیں تو کیا تجھے آفات وبلّیات سے محفوظ نہ رکھوں گا؟

پروردگار کی ذات قادر مطلق ہے۔ ہر باریک سے باریک اور مشکل سے مشکل چیز میں شگاف پیدا کرسکتی ہے۔ عدم کی تاریکی کا پردہ چاک کرکے وجود کا نور ظاہر وآشکار کرنا، رات کی سیاہی کو چیر کر صبح کی سپیدی کو نمودار کرنا، دلِ زمین میں دانہ اور گٹھلی کو شگافتہ کرکے اس میں نمو پیدا کرنا، زمین کے سینے کو شق کرکے پودے کو کھڑا کرنا، ایک عالم کی دیوار میں شگاف پیدا کرکے دوسرے عالم میں لے آنا اور کائنات کی ہر زندہ مخلوق کو نیستی کے ظلمتکدہ سے نکال کر وجود وہستی عطاء کرنا یہ سب اس کے مظاہر قدرت ہیں۔

خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ﴾(۱)

بے شک صرف خدا دانہ اور گٹھلی کو شگافتہ کرنے والا ہے جو زندہ کو مردہ

---

(۱) انعام آیت ۹۵

سے اور مردہ کو زندہ سے خارج کرتا ہے۔

کائنات کے خالق، پروردگار اور مدبر کی یہ صفت ایک عمیق اور گہرا مفہوم رکھتی ہے اور یہ عجیب وغریب ترین مظاہر قدرت اس کی عظمت کی دلیل ہیں۔

شاید ربّ الفلق کی صفت کے ذریعہ شریر اور ضرر رسان موجودات کے شر سے بچنے کیلئے اس لیے پناہ طلب کی جارہی ہے کہ یہ موجودات سلامتی و ہدایت کے نور وروشنی کو منقطع کردیتے ہیں لیکن جو پروردگار ہر شگاف کا خالق اور مالک ہے اور ہر شئے میں شگاف پیدا کرنے پر قادر بھی ہے۔ وہ ظلمتوں اور تاریکیوں کو شگافتہ کر کے ان موجودات کے شر سے نجات دلاتا ہے۔

تیسری آیت

﴿من شرّ ما خلق﴾

ہر مخلوق کی برائی سے

تفسیر

اس جامع آیت کے ذیل میں دو تفسیری موضوعات پر بحث کرتے ہیں۔

ا۔خیر کا سرچشمہ

خالق کائنات نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے۔ وہ خود مکمل وجود ہے اس میں کوئی نقص نہ ہے اور نہ ہی آ سکتا ہے۔ اس کی ذات خیر محض ہے اس کی ذات میں کسی قسم کا شر متصور نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اس کا عمل بھی شر نہیں ہو سکتا۔ تو آفرینش اور خلقت الٰہی اپنی ذات میں کوئی شر نہیں رکھتی ہے۔ کیونکہ تخلیق وایجاد فعل خداوندی ہے، نعمت وجود عطاء کرنا تو خیر محض ہے، ارشاد الٰہی ہے:

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (۱)

جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی۔

پس دنیا کی ہر چیز اپنی فطرت اور خلقت کے مطابق خیر ہی خیر ہے۔

---

(۱) سورۂ سجدہ آیت ۷

جب بھی کوئی چیز قانون فطرت وخلقت سے منحرف ہوگی اس میں شر پیدا ہو جاتا ہے۔ شر مخلوق کے ارادہ اور عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ خالق خیر اور منبع خیر سے دوری ہی شر ہے۔ جتنا یہ فاصلہ بڑھتا جائے گا اتنا ہی شر میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

شر سے نجات اور رہائی کا ذریعہ قرب خداوندی ہے۔ ایسے اندر کے شر کو ختم کرنے کیلئے بھی خدا کی طرف لوٹنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے۔ دیگر مخلوقات کے شر سے بچنے کے لئے بھی اس کی پناہ میں جانا لازمی ہے۔

البتہ بہت سے ایسے امور ہیں جنہیں ہم شر سمجھتے ہیں لیکن وہ حقیقت میں خیر ہیں مثلاً وہ حوادث اور بلائیں جو انسان کو خواب غفلت سے بیدار کر کے خدا کی طرف متوجہ کرتے ہیں یا بیماری اور مالی نقصانات جو انسان کی خطاؤں اور گناہوں کا ازالہ کرتے ہیں یا موت جو انسان کو اس کی مادی دنیا سے چھٹکارا دلا کر اخروی جہان میں لے جاتی ہے مسلمہ طور پر یہ سب امور شر نہیں ہیں۔

۲۔ شر اور فساد کے اہم سرچشمے

شریر موجودات وہ ہیں جو راہ الٰہی سے منحرف ہو جاتے ہیں چاہے وہ

انسان ہوں یا حیوان، جن ہوں یا شیطان یا دیگر مخلوقات میں سے ہوں، جو بھی برائی کی راہ اختیار کرے اس میں شر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دوسروں کو بھی شر پہنچا سکتا ہے لہذا اس کے شر سے بچنا چاہیے۔

اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ﴿من شرّ ما خلق﴾ تمام مخلوقات کی برائی اور شر سے پناہ مانگو پھر اگلی آیات اور اگلے سورہ میں شر اور فساد کے چند اہم منابع کو خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

۱۔شر غاسق ۲۔شر نفاثات ۳۔شر حاسد

۴۔شر وسواس الخناس

ان میں سے پہلے تین شر کو اسی سورہ کی علیحدہ علیحدہ آیات میں ذکر فرمایا ہے اور آخری کو ایک علیحدہ سورہ میں بیان فرمایا تا کہ اس کے خطرے کو زیادہ اجاگر کیا جائے۔

چوتھی آیت

﴿ومن شرّ غاسقٍ إذا وقب﴾

اور ہر مزاحمت کرنیوالے کے شر سے جب وہ تاریکی
میں وارد ہو

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں بھی ایک ہی تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں چونکہ اس میں ایک شر کو بیان کیا گیا ہے۔

خفیہ مزاحمت کا شر

انسان خیر کا طالب ہے اور زندگی کے سفر میں بہت سی مزاحمت کرنے والی چیزیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے جن چیزوں کی مزاحمت واضح ہو ان سے انسان گریز کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ لیکن بعض مزاحمت کرنے والی مخلوقات پوشیدہ طور پر رکاوٹ ڈالتی ہیں اور انسان کو خیر مطلوب تک نہیں پہنچنے دیتی ہیں۔ بلکہ انسان بعض اوقات نہیں سمجھ بھی نہیں پاتا کہ کیوں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔ یہاں انسان غفلت اور اندھیرے میں رہ جاتا ہے اور نقصان اٹھا سکتا ہے۔ تو اس کی تنہا چارہ جوئی یہی ہے کہ خدا کی پناہ میں چلا جائے تاکہ ہر اس شریر مخلوق اور ناپاک اور پلید افراد کے شر سے محفوظ رہے جو تاریکی سے فائدہ اٹھا کر مزاحمت کے لئے آئے۔ تاریکی کا سیاہ پردہ چیر کر اس میں اجالا پیدا کرنے والی خدائے واحد کی ذات انسانیت دشمن عناصر کے عزائم کو خاک میں ملا دیتی ہے۔

پانچویں آیت

﴿ومن شر النفثت في العقد﴾

اور لگائی بجھائی کرنے والوں کے شر سے۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں بھی ایک ہی تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں چونکہ اس میں ایک اور شر کو بیان کیا گیا ہے۔

سازش اور پروپیگنڈہ

ہر زمانہ میں ایسے شریر افراد ہوتے ہیں جو مختلف حربوں سے لوگوں کے دلوں میں خدشے پیدا کر کے ان کے ایمان اور ارادوں کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نفسیانی اثرات کے ذریعے عزم راسخ اور یقین محکم کو متزلزل کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں انسان کی فطری ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

ان شیطان صفت افراد کا طاقتور حربہ پروپیگنڈہ اور چغل خوری ہے جسکے ذریعے یہ لوگوں میں تفرقہ ڈال کر ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں جس سے معاشرہ کمزور پڑ جاتا ہے اور اس کی وفا شعاری میں تذبذب پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح لگائی بجھائی کے ذریعے قریبی دوستوں میں پھوٹ ڈال دیتے ہیں جس سے الفت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے مثلاً میاں بیوی میں جدائی ڈالنے کی کوشش بھی اسی ضمن میں آتی ہے، دو گھرانوں یا خاندانوں میں جھگڑا کروادینا بھی اسی ذریعے سے انجام پاتا ہے نیز قوموں، ملکوں اور مذاہب میں بھی اسی طرح نزاع اور اختلاف پیدا کیا جاتا ہے۔

لہٰذا عقد اور بندھن نیز عقیدہ اور ارادہ کے تحفظ اور بچاؤ کی راہ بھی صرف پناہ خداوندی ہے چونکہ فتنہ انگیزی اور سازش کا پتہ ہی تب چلتا ہے جب نتیجہ سامنے آتا ہے لہٰذا اسکے سدّ باب کا تنہا ذریعہ ذات قادر و مطلق الٰہی ہے لہٰذا فرد، معاشرہ اور حکومت سب کو خدا کی پناہ میں جانا چاہیئے تا کہ اس قسم کے ہر شر سے محفوظ رہا جا سکے اور انسان اور معاشرہ ترقی و کمال کے مدارج طے کرتا چلا جائے۔

چھٹی آیت

﴿ومن شرّ حاسدٍ اذا حسد﴾

[نیز ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں بھی ایک ہی تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں چونکہ اس میں ایک اور مہم اور رائج شر کو بیان کیا گیا ہے۔

حاسد سے خطرہ

حسد کرنا ایک قبیح فعل ہے بلکہ گناہ ہے جس سے گریز کرنا چاہیے لیکن یہاں ایک اور امر کا تذکرہ ہورہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب حسد کرنے والا شخص حسد کرنے پر اتر آئے تو وہ بہت زیادہ ضرر رساں ہوسکتا ہے۔ یعنی وہ جس سے حسد کرتا ہے اس کے خلاف دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے اور جب کہیں کوئی موقع بھی ہاتھ میں آئے تو اپنی جان کی بازی بھی لگا کر اس پر وار کرتا ہے۔ اس معاملے میں حسد سے زیادہ سخت اور بدتر کوئی چیز نہیں ہے۔ موجودہ دنیا کا سب سے پہلا گناہ بھی حسد تھا جو شیطان سے سرزد ہوا اور موجودہ انسانیت کا بھی پہلا گناہ حسد ہی تھا جس کا قابیل مرتکب ہوا جس کی وجہ سے اس نے ہابیل کا خون کر ڈالا۔

شیطان اسی حسد کی وجہ سے راندۂ درگاہ الٰہی ٹھہرا اور اسی کے نتیجے میں آج تلک انسانیت کے درپے ہے اور بڑی جانفشانی کے ساتھ انسانیت پر

غالب آنے اور اسے گمراہ کرنے کی کوششوں میں مصروف عمل ہے۔ وہ اس سلسلے میں اپنے تمام ہتھیار اور حیلوں کو کام میں لاتا ہے اور نہتی انسانیت کو قیدی بنا کر خوش ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اگر انسانیت الٰہی قوانین کی پناہ میں آجائے تو بچ سکتی ہے اور پناہ خداوندی ایسا طاقتور ہتھیار ہے کہ اگر انسان استعمال میں لائے تو شیطان جیسے شاطر دشمن کے دانت کھٹے ہو جائیں۔

اسی طرح ہر حاسد شخص جب اپنے دل میں حسد کی آگ لیے ہوتا ہے تو وہ آگ بھڑکتی اور خاموش ہوتی رہتی ہے۔ جب اس کا شعلہ اٹھتا ہے تو پھر حاسد اپنی ساری طاقت لگا کر نقصان پہنچاتا ہے اور عالم اسباب میں سے میسّر اسباب کو بروئے کار لا کر دوسرے کے لئے خطرہ بن جاتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی خود حسد کرنا بھی اپنے اندر تاثیر رکھتا ہے جس کی ایک ادنیٰ مثال کسی کو نظر لگانا ہے جو عام طور پر حسد کے نتیجہ میں ہوتی ہے۔

امام رضا علیہ السلام زرّین سند کے ساتھ حدیث نبویؐ کو نقل فرماتے ہیں کہ آنخضرت کا ارشاد ہے:

كاد الحسد أن يسبق القدر (۱)

حسد بسا اوقات قسمت بدل دیتا ہے۔

---

(۱) نور الثقلین ج ۱ ص ۷۲۲

سورۂ ناس
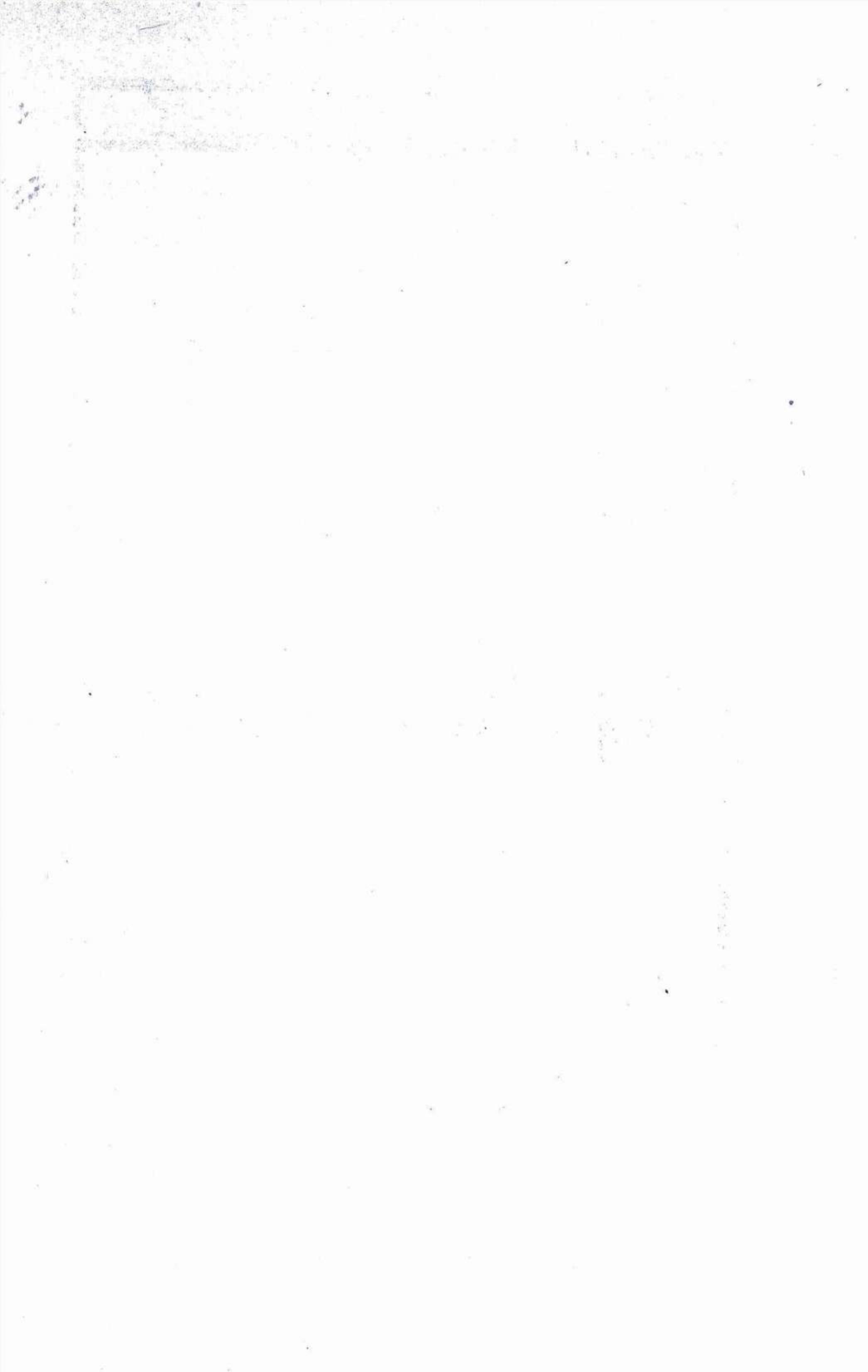
بسم الله الرّحمن الرّحيم

قل أعوذ بربّ النّاس

ملك النّاس إله النّاس من

شرّ الوسواس الخنّاس

الّذي يوسوس في

صدور النّاس من الجِنّة

والنّاس

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے
والا بڑا مہربان ہے کہہ دیجئے میں لوگوں کے
پروردگار کی پناہ لیتا ہوں جو تمام انسانوں کا
بادشاہ ہے اور جو تمام انسانوں کا معبود ہے
اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو خدا
کے نام سے بھاگتا ہے اور پنہاں ہو جاتا
ہے جو انسانوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالا
کرتا ہے چاہے وہ جنات میں سے ہو یا
انسان میں سے

تعارف

آیات: ۷ عدد　　　کلمات: ۲۰　　　حروف: ۹۲

نام　　　:ناس۔(۱)

وجہ تسمیہ　　:لفظ ناس اس سورہ میں پانچ دفعہ تکرار ہوا ہے۔

مقام نزول :مکہ گرچہ کچھ مفسرین نے مقام نزول مدینہ کہا ہے۔

سبب نزول: پناہ کی ضرورت۔

شأن نزول: پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے تو ان کی صحت یابی کیلئے نازل ہوا۔

ترتیب نزول: یہ سورۂ فلق کے بعد اور سورۂ توحید سے پہلے نازل ہوا ہے۔

---

(۱) اس سورہ کے نام وشأن نزول اور فضائل کے لئے سورہ فلق میں رجوع کریں۔

خصوصیات سورہ

اس سورہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

۱۔آخری سورہ

یہ قرآن مجید کا آخری سورہ ہے۔

۲۔تکرار ناس

یہ قرآن مجید کا واحد سورہ ہے جس کی دو آیت کے علاوہ بقیہ تمام آیات میں لفظ ناس تکرار ہوا ہے شاید اس کی وجہ انسان کا اشرف المخلوقات ہونا ہے۔

۳۔آخر میں سین

یہ قرآن کا واحد سورہ ہے جس کی ہر آیت کا آخری حرف سین ہے۔(البتہ سوائے پہلی آیت بسملہ کے)

تفسیر آیات

پہلی آیت

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾

سہارا اللہ کے نام کا جو سبکو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔

تفسیر

اس آیت کی تفسیر اور خصوصیات نیز بے پناہ فضائل پر بحث ہو چکی ہے۔

دوسری آیت

﴿قل أعوذ برب النّاس﴾

کہہ دیجئے میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں دو تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

۱۔ پناہ کی ضرورت

انسان مختلف خطرات میں گھرا ہوا ہے شیطان اسے بھی مختلف حربوں سے گھیرتا ہے اور اس کا سب سے خطرناک حربہ، وسوسہ اور شک ہے جس کے ذریعے سے وہ انسانوں کے ایمان اور تفکرات پر بھی حملہ کرتا ہے۔

انسان اپنی تمام مشکلات میں اپنے ربّ سے مدد طلب کرتا ہے چونکہ خالق، مخلوق کی ضروریات اور مسائل کو احسن طریقہ سے جانتا ہے لہٰذا انسان کا اس دنیا کے تمام شرور سے بچنے کے لئے خدا کی پناہ میں جانا ہی عافیت ہے۔

چونکہ انسان سب سے بڑے شر سے بچنے کی راہ معلوم کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہا جا رہا ہے کہ **قل**... کہو اے میرے پروردگار میں تیری پناہ میں آنا چاہتا ہوں تاکہ اس بڑے شر سے چھٹکارا پالوں پس خدا کی پناہ میں جانے والا وسوسہ اور شک سے نجات پالے گا۔

شیطان ہر انسان کے قلب میں تردید ڈالنے کی کوشش کرتا ہے حتی

کہ انبیاء و اولیاء الٰہی پر بھی اپنے حربے آزماتا ہے لیکن ان عظیم ہستیوں کے مقام قرب و عصمت کی وجہ سے اس کے حربے کارگر نہیں ہو پاتے۔(۱)

۲۔لوگوں کا پروردگار

قرآن کی اولین سورہ کی ابتداء میں ربّ العالمین فرمایا تھا۔اب اختتام قرآن میں ربّ الناس فرمایا جارہا ہے یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تمام مخلوقات میں اشرف اور افضل انسان ہے۔ انسان جو مسجود ملائک ہے، انسان جو بارگاہ خداوندی میں قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اپنی سعی اور جدو جہد میں کامیاب ہوسکتا ہے اور عروج انسانی کی رسائی عرش الٰہی تک ہے اسی لئے انسان کی تخلیق کے مراحل بیان کرنے کے بعد ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿فتبارك الله أحسن الخالقين﴾(۲)

---

(۱) تفسیر قمی ج ۲ ص ۴۵۴ حضرت امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ما من قلب إلاّ وله أذنان على أحدهما ملك مرشد وعلى الآخر شيطان مغتر، هذا يأمره وهذا يزجره ہر قلب کے دو کان ہوتے ہیں ایک کان میں صحیح راہ دکھلانے والا فرشتہ اچھائی کا حکم دیتا ہے اور دوسرے میں دھوکہ دینے والا شیطان برائی کی طرح ڈالتا ہے۔

(۲) مؤمنون آیت ۱۴

اللہ وہ خالق برتر ہے کہ جس نے اشرف المخلوقات کو پیدا کیا اور اب یہاں انسانوں کا پروردگار کہا جارہا ہے کہ اس انسان کی تربیت بھی خود خدا کرتا ہے۔

نیز چونکہ شیطان نے انسان کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا تھا اور اسی وجہ سے قرب خداوندی اور بارگاہ الٰہی سے مردود ہو کر دھتکار دیا گیا تھا تو وہاں سے اس نے قسم کھا کر ایک دعویٰ کیا تھا کہ میں انسانوں کو ورغلا کر خدا کے قرب سے دور کروں گا

جسے قرآن مجید اس طرح بیان فرماتا ہے:

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾(۱)

شیطان نے کہا: پروردگارا! مجھے تیری عزت کی قسم میں تیری اس (اشرف) مخلوق کو دھوکہ دے کر گمراہ کروں گا۔

اسی لئے شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے، ہر قسم کے دھوکہ، فریب اور حربے (جن میں سے سب سے خطرناک حربہ وسوسہ ہے) آزماتا ہے، تاکہ اپنے دعویٰ میں پورا اترے اور انسانوں کو خدا اور اس کی عبادت اور اس کے دین سے دور کرے، اب چونکہ شیطان صرف

---

(۱) ص آیت ۸۲

انسان کو وسوسہ کرتا ہے تو اسی لئے انسانوں سے کہا جا رہا ہے کہ رب الناس کی پناہ میں آ جاؤ اس طرح شیطان کے شر سے محفوظ رہو گے جب انسانوں کے پروردگار کی پناہ کا سایہ ہوگا تو اس سائے تلے موجود مخلص بندگان الٰہی پر شیطان کا حربہ ناکام ہو گائے گا۔

تیسری آیت

﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾

جو تمام انسانوں کا بادشاہ ہے۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں تنہا ایک تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

انسانوں پر حکومت

خداوند عالم کی حاکمیت مطلق ہے، وہ تمام کائنات کا بادشاہ ہے، فرش تا عرش اس کی حکومت ہے، مگر یہاں صرف انسانوں پر حکومت کا تذکرہ ہے۔

کیونکہ یہی ایک مخلوق ہے جو حاکمیت کے دعوے کرتی ہے تو اس طرح انسانی حکومت کی نفی کی جارہی ہے کہ خدا تمام انسانوں پر حاکمیت رکھتا ہے اور کوئی انسان بھی اس کی حکومت اور پکڑ سے دور نہیں ہے۔

نیز یہ کہ انسانوں پر کسی اور ذات کا تسلط نہیں ہے اور خداوند متعال کی سلطنت ہے۔ شیاطین وسوسہ تو کر سکتے ہیں مگر انکی کسی انسان پر حاکمیت نہیں ہے۔ وہ انسانوں پر حکومت نہیں کر سکتے ہیں۔ اس آیہ کے ذریعہ کہا جارہا ہے کہ جو کوئی ہماری حکومت کا اقرار کرتے ہوئے ہماری پناہ میں آجائے گا ہم جیسا طاقتور اور قادر مطلق بادشاہ اسے ہر شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

انسانوں کو چاہئے کہ وہ خدا کی سلطنت اور حاکمیت مطلقہ کا اقرار

کرتے ہوئے اپنے خیر و شر میں اسی بادشاہ کی بارگاہ ربوبیت میں مدد طلب کریں نیز اس حاکم کے احکامات و فرامین پر عمل پیرا رہیں، دین میں خدشہ پیدا نہ ہونے دیں کیونکہ انسانوں کے عمل کی جزا و سزا بھی اسی شہنشاہ عظیم کے دست قدرت میں ہے۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں دو تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

۱۔انسانوں کا معبود

انسان وہ ہے جو خالق حقیقی کی عظمت اور اس کی حاکمیت مطلقہ کو مانتے ہوئے اس کی بارگاہ میں سر تسلیم خم رکھے اور ہمیشہ اس کی سلطنت میں خاضع اور خاشع رہے تو اس طرح وہ خدا کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

یہاں انسانوں کا معبود کہہ کر یہ بیان کیا جارہا ہے کہ انسانیت کا معیار خدا، ربّ اور حاکم مطلق کی اطاعت ہے جو مقام اطاعت اور خضوع وخشوع میں جتنا بلند ہو وہ اتنا ہی کامل انسان ہے اسی لئے امام حسن علیہ السلام سے جب ناس کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

نحن الناس، وشيعتنا أشباه الناس وسائر الناس نسناس (۱)

---

(۱) الفرقان آخری جلد ص ۵۴۷

ہم (معصومینؑ) انسان ہیں اور ہمارے شیعہ انسانوں سے مشابہ ہیں اور باقی تمام لوگ نسناس ہیں۔

ظاہراً یہاں امام علیہ السلام نے بنی آدم کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے کچھ انسان ہیں اور کچھ نسناس ہیں۔ انسان بھی دو طرح سے ہیں کچھ اصلی، حقیقی اور کامل انسان ہیں اور کچھ فرعی اور ناقص انسان ہیں۔ ہمارے معصومین علیہم السلام جو انسانیت کے ہادی اور ہمارے پیشوا ہیں وہ اصل ہیں اور انکے شیعہ فرع ہیں، بقیہ افراد جو دین حقیقی الٰہی سے منحرف ہوں سب نسناس ہیں۔

۲۔ بنیادی صفات الٰہی

خداوند متعال کی تین صفات ایسی ہیں جن کا اقرار انسانیت کیلئے نجات کا موجب ہے اور ان تین اوصاف کا انسانوں سے بھی تعلق ہے جیسا کہ سورہ زمر کی چھٹی آیت میں بھی ارشاد ہوتا ہے: ذٰلکم اللّٰہ ربّکم له الملك لا اله الّا الله فانّی تصرفون

تو یہ تین اوصاف (ربّ، ملك اور اله) خدا پر ایمان کی بنیاد ہیں یعنی انسان وجود پانے کے بعد پہلی نعمت تربیت کا محتاج ہے۔ ربّ متعال عالم ہستی کا خالق اور مربی ہے۔ اس سے خدا شناسی کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر اس کی حکومت اور سلطنت کا محتاج بھی ہے جس سے نظام ہستی چلتا ہے اور کائنات کی

ہر چیز اپنی جگہ پر نظم ونسق سے اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔ خداوند متعال عدالت وانصاف سے حاکمیت مطلقہ کے ساتھ اپنی بادشاہت اور حکومت کو چلا رہا ہے۔ انسان بھی اسی شہنشاہ کی رعایا ہیں بلکہ اشرف رعایا ہے۔ حکومت الٰہی میں انسان کا درجہ بلند تر ہے۔ دنیا وآخرت میں انسان خدا کے فضل، کرم و لطف کا مشمول ہے۔

پس خداشناسی کا دوسرا مرحلہ اس کی حاکمیت اور عدالت کا جاننا ہے۔ جب انسان خدا کی ان ہمہ گیر دوصفات پر ایمان لے آئے تو پھر وہ اسے اپنا واحد معبود مان کر اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ اسے اپنا إِلٰـہ مان کر اخلاص سے صرف اس کی عبادت کرتا ہے۔ یہی ایمان کا عروج ہے۔ لہٰذا ان تین بنیادی اوصاف کا اس سورہ میں بیان کرنا اسی وجہ سے ہے جو ان اوصاف پر ایمان رکھتا ہوگا وہی خدا سے پناہ طلب کرتے ہوئے اس کی پناہ میں جائے گا اور شر شیطان سے محفوظ رہے گا۔

نیز ان آیات میں ربّ کے بعد ملک اور إِلٰـہ ہونے کا تذکرہ اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ ربّ دو طرح سے متصور ہوسکتا ہے یا ا۔ ربّ حاکمیت رکھتا ہے جیسے کہ ہمارا خدا ربّ بھی ہے اور ملک بھی ہے اور یا ۲۔ ربّ بغیر حاکمیت کے بھی ہوتا ہے اسی طرح ملک بھی دو طرح سے متصور ہوتا ہے یا۔ الہ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، لیکن الٰہیت فقط اسی ایک ذات برتر میں ہے اس میں کوئی

بھی شریک نہیں ہے۔

لہٰذا دنیا میں بھی انسان کا یہی وطیرہ ہے جب اسے کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے اور اس سے بچنے کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی تو وہ سب سے پہلے اپنے اس مربی کی پناہ لیتا ہے جو اس کی ضروریات کو پورا کرتا ہے اور خطرات کو دور کرتا ہے۔ اس کی دوسری پناہ گاہ حاکم اور بادشاہ ہوتا ہے جو اپنی حکومت اور طاقت سے اپنی رعایا کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور خطرات کو دفع کرتا ہے۔ جب انسان بہت بڑے خطرے میں گھر جائے کہ جس سے نجات دلانا مربی اور حاکم کے بس کی بات نہ ہو تو وہ سب سے بڑی اور طاقتور پناہ گاہ میں پناہگزین ہوتا ہے جو تیسری اور آخری پناہ گاہ ہے۔ چونکہ وہ تمام کائنات کا ربّ ہے اور قادر مطلق حاکم ہے اور الٰہ واحد ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔

لہٰذا خدا کے مخلص بندے اپنے تمام امور خدا کے سپرد کرتے ہیں اور ہر خطرے میں صرف اسی ذات سے مدد مانگتے ہیں اور کہتے ہیں:

﴿أعوذ بربّ النّاس، ملك النّاس، إله النّاس﴾

پانچویں آیت

﴿من شرّ الوسواس الخنّاس﴾

اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو خدا کے نام سے بھاگتا ہے اور پنہاں ہو جاتا ہے۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں تنہا ایک اہم تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں چونکہ اس آیت میں ایک اہم ترین شر کا تذکرہ ہے۔

وسوسہ ڈالنے والا

شیاطین انسانوں کی گمراہی کے لئے مختلف حیلے آزماتے ہیں ان کے بعض حربے ظاہری ہوتے ہیں اور بعض مخفیانہ، مخفی اور پوشیدہ حربوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک حربہ وسوسہ ڈالنا ہے، بعض اوقات کچھ اس طرح سے وسوسہ کرتے ہوئے دھوکہ دیتے ہیں کہ انسان تمام شیطانی وسوسوں کو اپنی ذاتی سوچ سمجھتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہو کر گمراہی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

چونکہ شیاطین خود مخفی ہوتے ہیں اور ان کے پروگرام بھی اکثر مخفی ہوتے ہیں اور ان کا کام برائی کو زینت دینا، باطل کو حق کا رنگ دینا، جھوٹ کو سچ کے سانچے میں ڈھال کر، گناہ کو عبادت کے لباس میں اور گمراہی کو ہدایت کے سرپوش میں پیش کرنا ہے اور اس طرح سے وہ لوگوں پر مسلط ہونے کی تگ ودو میں رہتے ہیں۔

اب اگر انسان ان کے دام فریب میں آ کر بہک جائے تو پھر شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور یہ امر تباہی کا موجب بنتا ہے۔ اور اگر انسان خدا کی طرف متوجہ رہے اور ان مواقع پر خدا سے مدد طلب کرے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور انسان خدا کی پناہ میں چلا جاتا ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے:

إنّ الشيطان واضع خطمه علىٰ قلب ابن آدم فإذا ذكر الله خنّس وإذا نسي التقم فذالك الوسواس الخنّاس

بے شک شیطان نبی آدم کے قلوب پر منہ مارتا ہے اب اگر انسان خدا کو یاد کرے تو بھاگ جاتا ہے اور اگر خدا کو بھول جائے تو اسکے ایمان کو کھا جاتا ہے اور یہی وسواس خناس ہے۔

البتہ توجہ رہے کہ **الوسواس الخنّاس** میں اس مفہوم کی تاکید ہے کہ خناس ایک دفعہ وسوسہ ڈال کر جب بہکانے میں کامیاب نہ ہو تو ہٹ جاتا ہے اور پھر دوبارہ آ کر وسوسہ اندازی کرنے لگتا ہے اور یہ کوشش پے در پے جاری رکھتا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہمیشہ اور متواتر خدا سے مدد طلب کرتے رہیں اور ہمیشہ اس کی پناہ میں جائیں اور اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور کبھی بھی فقط اپنی ذات پر بھروسہ نہ کریں حتی یک چشم برہم زدن تک بھی یاد خدا سے جدا نہ ہوں۔ اللّٰهمّ لاتكلني إلىٰ نفسي طرفة عين أبداً

چھٹی آیت

﴿ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ﴾

جو انسانوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے۔

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں دو تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

ا۔شیطانی حربہ

جیسا کہ پچھلی آیت کی تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ شیطان کے حربوں میں سے ایک خطرناک حربہ وسوسہ ہے، وہ ہر انسان پر اسی وسوسہ کے ذریعہ حملہ کرتا ہے اور بار بار حملہ کرتا ہے۔ خناس یہ وسوسہ سینوں میں پیدا کرتا ہے چونکہ انسانی قلوب، ایمان کا گھر ہیں اور خدا کی محبت کا حرم ہیں تو دشمن وہیں حملہ کرتے ہیں جہاں سب سے قیمتی، عزیز اور محترم چیز رکھی ہو اگر دل پاک ہو اور خدا کی طرف متوجہ رہے تو دشمن کامیاب حملہ نہیں کرسکتا اور اگر اخلاص میں کمزوری پیدا ہو جائے تو پھر شیطان کو موقع مل جاتا ہے اور وسوسہ اور دھوکہ دہی سے انسان کے دل میں اپنا نشیمن بنا کر ایمان کو کمزور سے کمزور تر کرتے ہوئے اسے ختم کردیتا ہے۔ البتہ ہر انسان کے اندر مختلف خیالات جنم لیتے ہیں ان میں سے کچھ خیالات اسکے اپنے ہوتے ہیں اور کچھ شیطانی وسوسہ سے پیدا ہوتے ہیں ان سب خیالات کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اگر یہ سوچیں الٰہی تقوی کے مطابق ہوں تو یہ نیک اور اچھے الہامات میں سے ہیں اور

اگر یہ خیالات دین الٰہی کے مخالف ہوں تو یہ شیطانی وسوسہ ہے بلکہ ذکر و یاد الٰہی سے بھی جانچا جا سکتا ہے اگر یاد خدا سے وہ خیالات سست، کمزور اور ڈھیلے پڑ جائیں یا ختم ہو جائیں تو شیطانی ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے:

ما من مولود إلّا على قلبه الوسواس، فإذا عقل فذكر الله خنّس، وإذا غفل وسوس (۱)

ہر پیدا ہونے والے (انسان) کے دل میں وسواس (وسوسہ ڈالنے والا) ہوتا ہے۔ اگر انسان توجہ کرے اور خدا کو یاد کرے تو وسواس بھاگ جاتا ہے اور اگر یاد الٰہی سے غافل رہے تو وہ وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔

۲۔ خطرناک شیطان

جو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور بار بار حملہ کرتا ہے یہ خناس سب سے زیادہ خطرناک شیطان ہے کیونکہ اس کا حملہ مخفی ہوتا ہے اور نہایت دھوکہ اور فریب سے کام لیتا ہے اور انتھک کوشش سے انسان کو بہکانے میں لگا رہتا ہے جیسا کہ امام صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:

جب یہ آیت نازل ہوئی والذين إذا فعلوا فاحشة أو ظلموا أنفسهم ذكروا الله فاستغفروا لذنوبهم (۲)

---

(۱) جامع البیان ج ۱۵ ص ۳۵۵ اور در المنثور ج ۶ ص ۴۲۰ (۲) آل عمران آیت ۱۳۵

وہ لوگ جو کبھی کوئی برائی انجام دیتے ہیں یا اپنے ساتھ ظلم کرتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کیلئے استغفار کرتے ہیں

تو ابلیس مکہ کی ثویر نامی پہاڑی پر چڑھا اور بلند آواز سے پکار کر اپنے لشکر کے سرداروں کو بلایا جب وہ اکٹھے ہوئے تو انہوں نے پوچھا اے ہمارے آقا ہمیں کیوں بلایا ہے؟ تو اس نے کہا: یہ آیت نازل ہوئی ہے (جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے کیونکہ یہ گناہکار بشریت کی نجات کا موجب ہے) کون ہے جو اس کا مقابلہ کرے؟ ایک بڑا شیطان اٹھ کر بولا میں ایسا کر سکتا ہوں میرا فلان منصوبہ ہے تو ابلیس نے کہا تم اس آیت کا مقابلہ نہیں کر سکتے پھر دوسرا کھڑا ہوا (اور کہا میرا یہ منصوبہ ہے لیکن ابلیس نے کہا تم بھی اس قابل نہیں ہو تو پھر وسواس خناس بولا: میں یہ مہم سرانجام دونگا ابلیس نے پوچھا، وہ کیسے؟ تو بولا: میں انہیں جھوٹے وعدوں اور امیدوں سے فریب دوں گا اور وہ گناہ میں آلودہ ہو جائیں گے اور جب گناہ کر لیں گے تو انہیں توبہ اور استغفار کرنا بھلا دوں گا تو ابلیس نے کہا آفرین! اس طرح تم یہ مہم سرانجام دے سکتے ہو (اور تیرا منصوبہ بہت ماہرانہ اور کامیاب ہے) پھر شیطان نے یہ کام قیامت تک کے لئے اس کے سپرد کر دیا۔(۱)

---

(۱) امالی شیخ صدوق مجلس ۷۱ حدیث ۵

وسواس خناس لوگوں کے سینوں میں موہومات پیدا کر کے انہیں اچھائی سے روکتا ہے۔ خواہشات اور امیدوں اور وعدوں کے ذریعے انہیں برائی کی طرف راغب کرتا ہے۔ پھر گناہوں کے دلدل میں دھکیل کر واپسی کے راستے کو بند کر دیتا ہے۔ تو ہمیں چاہئے ہمیشہ ایسے خناس سے بچیں جو گناہوں کی طرف لے جائے۔ کیونکہ ایسے وسوسہ کرنے والے شیطان کا مقابلہ دشوار ہے تو ہمیشہ یادالٰہی اور ذکر الٰہی میں توجہ دیں اور خدا کی پناہ میں رہیں تا کہ وسواس خناس کے شر سے محفوظ رہیں اسی لئے رسالتمآبؐ ارشاد فرماتے ہیں:

الحذر أيها الناس وإياكم والوسواس الخنّاس فإنّما يبلوكم أيّكم أحسن عملاً (۱)

اے لوگو! آگاہ رہو اور وسواس خناس سے گریز کرو (پس یہی تمہارا امتحان ہے) تا کہ تمھیں آزما کر دیکھیں کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

---

(۱) در المنثور ج ٦ ص ۴۲۰

ساتویں آیت

﴿من الجنة والناس﴾

چاہے وہ جنات میں سے ہو یا انسان میں سے

تفسیر

اس آیت کے ذیل میں تین تفسیری موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

ا۔شیطان کے چیلے

وسواس خناس نے لوگوں کو دھوکہ اور فریب سے گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔اس مقصد کے لئے وہ جن وانس میں اپنا مددگار گروہ بناتا رہتا ہے اور اپنے پیروکاروں کا حلقہ وسیع تر بنانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور پھر اپنے ان چیلوں سے بھی کام لیتا ہے۔

یہ آیت اسی امر سے آگاہ کررہی ہے کہ وسواس خناس صرف ایک شیطان، ایک فرد، ایک گروہ، ایک طبقہ اور ایک ہی لباس میں نہیں ہوتے بلکہ یہ جن وانس میں پائے جاتے ہیں اور ہر رنگ، مذہب اور لباس میں موجود ہیں اور انسانوں کو گمراہ کرنے میں کوشاں ہے۔ یہ خناس صفت، وسوسہ ڈالنے والے جن وانس زیادہ نقصان دہ ہیں۔ کیونکہ یہ انسان میں رہتے ہوئے، اپنا اثر، رسوخ استعمال کر کے لوگوں سے قریب تر ہو کہ انہیں فریب، دھوکہ اور ظاہر

سازی کر کے شکار کرتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے:

شيطان الإنس أشد على النّاس من شيطان الجنّ، شيطان الجنّ يوسوس ولا تراه، هذا يعانيك معاينة (۱)

انسانی شیطان لوگوں کیلئے جنی شیطان کی نسبت زیادہ خطرناک ہے کیونکہ جنی شیطان جب وسوسہ کرتا ہے تو نظر نہیں آتا مگر یہ تو ظاہر بظاہر تمھارا سامنا کرتا ہے۔

برے دوست، منحرف ہمنشین، گمراہ اور ظالم پیشوا، سفاک اور طاغوتی کارندے فاسد اور خائن مقررین، کم علم اور بے ایمان لکھنے والے، ظاہر فریب اور ہٹ دھرم الحادی اور التقاطی مکاتب اور غلط اور غاصبانہ طرز فکر رکھنے والے معاشرتی اور سیاسی جماعتوں کے افراد، فردی یا اجتماعی طور پر جب وسوسہ کے ذریعہ انسانوں کو گمراہ کرنے کی تگ ودو میں ہوں تو یہ سب وسواس خناس کے مفہوم میں داخل ہیں اور ان کے شر سے اللہ کی پناہ میں جانا چاہیے۔

۲۔ تکرار ناس بے جا نہیں!

اس سورہ میں پانچ دفعہ ناس کا لفظ آیا ہے اور چونکہ قرآن مجید میں

---

(۱) جامع البیان ج ۱۵ ص ۳۵۵

کہیں بھی کسی لفظ اور معنی کا تکرار بے محل نہیں ہے لہٰذا یہاں پر ہر آیت میں ناس کا مفہوم مختلف ہے۔

پہلی آیت میں ناس سے جنین مراد ہے اسی لئے رب الناس کہا گیا ہے کیونکہ شکم مادر میں جنین کی تربیت فقط اور فقط پروردگار عالم ہی کے دست قدرت میں ہے اور شکم مادر سے ہی الہٰی پرورش کا آغاز ہو جاتا ہے۔ دوسری آیت میں لفظ ناس سے اطفال اور بچے مراد ہیں اور ملک الناس کہا گیا ہے کیونکہ بچے خدا کی بادشاہی اور حفاظت میں ہوتے ہیں، تیسری آیت میں بالغ اور مکلّف افراد مراد ہیں یہی وجہ ہے کہ اس مبارک آیت میں الٰہ الناس کہا گیا ہے کیونکہ الوہیت کا اقرار اور اس کی عبادت بالغ افراد پر ہی لازم اور واجب ہے۔

پانچویں آیت میں ناس سے مراد علماء ہیں اسی لئے یوسوس فی صدور الناس کہا گیا ہے کیونکہ شیطان علماء کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ انہیں گمراہ کر سکے اور اس مقام پر جہال مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ اپنی جہالت کی وجہ سے ہی گمراہی کی راہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

چھٹی آیت میں لفظ ناس سے مراد وہ شیطان صفت افراد ہیں جو گمراہی اختیار کر کے حق سے دور ہو جاتے ہیں اور وسواس خناس کے پیروکار اور مددگار بن جاتے ہیں۔

۳۔ سلامتی دین اہم ہے

سورۂ فلق میں تین آفات سے پناہ مانگی گئی تھی۔

۱۔ شر غاسق ۲۔ شر نفّاثات

۳۔ شر حاسد۔

اور پناہ بھی صرف ایک ہی صفت ربوبیت یعنی ربّ الفلق کے ذریعے لی گئی تھی۔

اور اس آیت میں برعکس ہے یعنی آفت ایک ہے اور پناہ کے لئے تین صفات لائی گئی ہیں یعنی ربّ النّاس کہہ کر شرّ الوسواس الخنّاس سے خدا کی پناہ میں جانا مقصود ہے۔

سورۂ فلق میں مذکورہ تین آفات سے دنیاوی امور کو خطرہ لاحق تھا، وہاں جسمانی اور ظاہری سلامتی منظور تھی لہذا اس سے بچاؤ کے لئے ایک ہی صفت کا سہارا لیا گیا تھا جبکہ اس سورہ میں اس ایک آفت سے دین اور ایمان کو خطرہ ہے یہاں دین کی سلامتی کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تین اوصاف خداوندا کا سہارا لیتے ہوئے پروردگار عالم کی پناہ میں جا رہے ہیں۔

اس سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے دین اور ایمان کی سلامتی نہایت اہم ہے اسے ہر قسم کے خطرے سے بچانا اشدّ ضروری ہے اور دین کو نقصان

پہنچانے والی چیز گرچہ قلیل اور کم ہی کیوں نہ ہو تب بھی دنیاوی امور کیلئے مضر اشیاء پر بھاری ہے۔